مجید امجد شناسی
سوویں سالگرہ پر شائع شدہ کتب کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
ڈین کلیہ علومِ شرقیہ
پرنسپل پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

MAJEED AMJAD STUDIES IN LIGHT OF BOOKS PUBLISHED ON HIS CENTENARY

Muhammad Fakhar-ul-Haq Noori, PhD
Dean Faculty of Oriental Learning
Principal Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

This article is based upon the analytical study of the books, published on the occasion of hundredth birth anniversary (2014) of one of the most important and great Urdu poets of twentieth century, Majeed Amjad. In past he was paid less heed by most of the Urdu critics but gradually he got his due literary status and recognition. The researchers and critics tried to rediscover and reestablish his creative personality, literary works and poetic worth. Therefore, a large number of authored, compiled and translated books came into being. In this regard some valuable efforts have been made on the occasion of hundredth birht anniversary of Majeed Amjad. Such books have been discussed in the article one by one and this article will be milestone in the history and tradition of research and criticism regarding Majeed Amjad.

Keywords:

مجید امجد شناسی۔ شائع شدہ کتب۔ تصنیفات۔ جہانِ مجید امجد، تفہیم مجید امجد۔ تجزیاتی مطالعات۔ مجید امجد نئے تناظر میں، بصورتِ معنی، معنی صورت

بیسویں صدی عیسوی میں علامہ اقبال کے بعد اردو شاعری کے افق پر جو نظم نگار اُبھرے، ان میں پانچ نظم نگاروں کو بطورِ خاص پذیرائی ملی جن میں ن م راشد، فیض احمد فیض، میرا جی، اختر الایمان اور مجید امجد شامل ہیں۔ راشد، فیض اور میرا جی کو تو بہت جلد شناخت مل گئی مگر اختر الایمان کو کسی قدر تاخیر اور مجید امجد کو ان سے بھی زیادہ تاخیر کا سامنا کرنا پڑا۔ اب اربابِ ادب، محققین و ناقدین اور شاعری کے سنجیدہ قارئین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ پانچوں آوازیں اپنی اپنی جگہ نہایت اہم ہیں اور ان کے بغیر اردو شاعری کے جدید رجحانات کا تصور کرنا ممکن نہیں۔ ان شعرا میں بھی درجہ بندی کی تبدیلی کے نتیجے میں مجید امجد کو راشد اور فیض کے بعد میرا جی اور اختر کی نسبت کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔

جس طرح ۲۰۱۰ء کو راشد، ۲۰۱۱ء کو فیض اور ۲۰۱۲ء کو میرا جی کی سوویں سال گرہ کی مناسبت سے منایا گیا اسی طرح ۲۰۱۴ء کو مجید امجد کی نسبت حاصل ہوئی۔ چنانچہ حسبِ روایت مجید امجد کے حوالے سے بھی متعدد سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں، بہت سے ادبی رسالوں کے خصوصی نمبر چھاپے گئے اور کئی رسالوں میں مجید امجد کے تعلق سے گوشے قائم کیے گئے۔ علاوہ ازیں بہت سی کتابیں بھی اشاعت پذیر ہوئیں۔ اس عمل سے مجید امجد کی زندگی اور ان کی تخلیقی اُپج کی تفہیم و تحسین کے در وا ہوئے۔

جہاں تک مجید امجد کے سوویں سالِ ولادت کے موقع پر شائع ہونے والی کتابوں کا تعلق ہے انھیں کم سے کم دو بڑے زُمروں میں رکھا جا سکتا ہے۔ اوّل تصنیفات اور دوم تالیفات۔ تصنیفات کی ذیل میں اشاعت کی زمانی ترتیب کے مطابق ان کتابوں کے نام آتے ہیں:

- اسلم ضیاء، ڈاکٹر محمد۔ **جہانِ مجید امجد**۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
- ناصر عباس نیّر، ڈاکٹر۔ **مجید امجد: حیات، شعریات اور جمالیات**۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
- نوازش علی، ڈاکٹر۔ **مجید امجد: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ**۔ لاہور: اردو اکیڈمی، پاکستان، ۲۰۱۴ء
- محمد امین۔ **تفہیمِ مجید امجد**۔ ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء

اور تالیفات کے ضمن میں اشاعت کی زمانی ترتیب کے مطابق مندرجہ ذیل کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں:

- آصف علی چٹھہ، ڈاکٹر۔ مرتب۔ **مجید امجد کی نظمیں: تجزیاتی مطالعات**۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۱۴ء
- احتشام علی۔ مرتب۔ **مجید امجد نئے تناظر میں (مجید امجد صدی منتخب مقالات)**۔ ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء

- جنید امجد۔مرتّب،صورتِ معنی، معنی صورت۔فیصل آباد: مثال پبلشرز،۲۰۱۴ء
- سجاد شیخ۔مترجم:مجید امجد (ایک سو ایک نظمیں مع انگریزی تراجم) لاہور: الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء
- محمد کامران،ڈاکٹر و دیگر۔مرتّبین یہ دنیائے اِمروز میری ہے (مقالات) لاہور: شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی،۲۰۱۵ء

پہلے ہم تصنیفات کا جائزہ لیتے ہیں۔

جہان مجید امجد

اس کتاب کے مصنّف ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء ہیں جو ادبی حلقوں میں ماہر عروض کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ان کا تعلق سرزمینِ جھنگ سے ہے جہاں مجید امجد کی زندگی کا بڑا حصّہ گزرا۔ان کی زیرِ نظر کتاب مجید امجد کے سوویں سالِ ولادت کی مناسبت سے۲۰۱۴ء کے اوائل میں شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے۔۲۰۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو الوقار پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔اس کا انتساب مصنّف نے اپنے تین اساتذہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی، پروفیسر محمد حیات خان سیال اور پروفیسر ابو بکر صدیقی کے نام کیا ہے جو علمی و ادبی حلقوں میں اپنی خاص پہچان رکھتے ہیں۔مصنّف کے مختصر حرفِ آغاز کے بعد تعارف و تبصرہ کے عنوان سے انھی شخصیات میں سے ایک پروفیسر ابو بکر صدیقی کی تمہیدی تحریر سے کتاب کا تعارف ہوتا ہے۔موصوف لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر اسلم ضیاء صاحب نے جو کتاب ترتیب دی ہے وہ ایک لحاظ سے مجید امجد کی زندگی اور ان کے فن کا ہمہ جہتی مطالعہ ہے۔اس میں مجید امجد کی سوانح تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔اور اس سلسلے میں کئی غلط رائج باتوں کی اصلاح کی گئی ہے۔گویا مجید امجد کی سوانح کے نئے گوشے واضح کیے گئے ہیں۔مجید امجد کا خاندانی شجرہ بھی درج کیا گیا ہے۔مجید امجد کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور خاص طور پر ان کے فن کے عروضی پہلو پر وضاحت سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔مجید امجد کے بعض سوانح نگاروں اور نقادوں کے خیال سے اختلاف کیا گیا ہے۔اختلاف کی مدلّل وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ڈاکٹر صاحب کی محنت اور تحقیق کا ایک خاص ثمر یہ ہے کہ انھوں نے مجید امجد کی بہت سی ایسی تحریریں ڈھونڈ نکالی ہیں جو نظروں سے اوجھل تھیں اور فراموش کی جا چکی تھیں۔ان میں سے کچھ تحریریں ان کے بالکل ابتدائی زمانہ کی ہیں۔ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے اور شعر کہنے کا شوق انھیں ابتدا ہی سے تھا۔ان تحریروں سے ان کے فن کا تدریجی ارتقا بھی دیکھا جا سکتا ہے۔کئی سہرے اور اس نوع کی

> دوسری نظمیں بھی ہیں۔تبرکاتِ امجد کے عنوان سے جو کچھ جمع کیا گیا ہے وہ ڈاکٹر اسلم ضیاء صاحب کی خصوصی عنایت ہے۔ابھی ان کی تلاش اور جستجو کا عمل جاری ہے۔امید ہے کہ آنے والے دنوں میں بہت کچھ کھوج نکالیں گے۔ڈاکٹر صاحب نے مجید امجد کے کچھ خطوط بھی ڈھونڈ نکالے ہیں۔انھیں بھی شاملِ اشاعت کر دیا ہے۔چند خطوط کے عکس بھی چھاپ دیے ہیں۔یہ بھی مجید امجد کے تبرکات میں شامل ہیں۔گویا اس کتاب میں مجید امجد کی زندگی اور ان کے فن کا مختصر مگر ہمہ پہلو جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے مطالعہ سے مجید امجد کی شخصیت کی ایک جھلک، مختصر مگر مکمل، دیکھی جا سکتی ہے۔‘‘(۱)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر اسلم ضیاء نے اپنی کتاب کو تین ۳ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔حصہ اول ’پوچھتے ہیں وہ کہ امجد کون ہے؟‘ حصہ دوم ’تنقید و تجزیہ‘ اور حصہ سوم ’ تبرکات و نوادرات‘ کے زیرِ عنوان ہے۔غالب کے مصرعے ’پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟‘ میں تصرّف کرتے ہوئے پہلے حصے کو جو عنوان دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس میں مجید امجد کے شخصی کوائف دیے گئے ہیں۔یہ حصہ مندرجہ ذیل تین ۳ تحریروں پر مشتمل ہے:

- مجید امجد کا خاندان
- (i) مجید امجد رشتہ داروں کی نظر میں (ii) مجید امجد کے رشتہ داروں سے انٹرویو
- مجید امجد اور پروفیسر تقی الدین انجم

اس حصے میں مجید امجد کے ننھیال اور ددھیال کا شجرۂ نسب درج کرنے، اہم ننھیالی اور ددھیالی رشتہ داروں کا تعارف کرانے، بعض رشتہ داروں کی آرا جمع کرنے اور بعض سے کیے گئے مکالموں کو ترتیب دینے کے علاوہ مجید امجد کے دوست پروفیسر تقی الدین انجم کا انٹرویو بھی طبع کر دیا گیا ہے۔ان سب تحریروں کو حواشی و تعلیقات کے ذریعے تحقیقی اعتبار دینے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔مجید امجد کے جو رشتہ دار اس حصے میں متعارف ہوئے ہیں یا جن کی آرا کی روشنی میں ان کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، ان میں مجید امجد کے بھائی عبدالکریم، ماموں زاد بہن قدرت الٰہی اور رشتہ دار خواتین ارجمند اور ارشاد بیگم شامل ہیں۔کتاب کا یہ حصہ اپنے اندر ندرت اور تازگی رکھتا ہے۔

جہانِ مجید امجد کا دوسرا حصہ ’تنقید و تجزیہ‘ کے عنوان سے ہے۔اس میں یہ تین ۳ مقالے شامل ہیں:

- ناصر شہزاد کی مجید امجد شناسی
- مجید امجد کا تنقیدی شعور
- مجید امجد کے عروضی تجربات

ڈاکٹر محمد ہارون عثمانی نے اس حصے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دوسرا حصہ تنقید و تجزیہ پر مشتمل ہے جس میں پہلا مضمون ناصر شہزاد کی کتاب کون دیس گیٔو کے حوالے سے ان کی مجید امجد شناسی کا جائزہ ہے۔ ناصر شہزاد مجید امجد کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے استاد کے ادبی سفر کی داستان بیان کی ہے، جب وہ ساہیوال میں مقیم تھے۔ ناصر شہزاد کی اس کتاب میں سوانح کے ساتھ ساتھ مجید امجد کی نظموں کے پس منظر اور فن پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔ ڈاکٹر اسلم ضیاء اس کتاب کا تجزیہ کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کتاب خوبیوں اور خامیوں کا مرقع ہے۔ واقعات کی ترتیب و تنظیم میں شدید کمی اور چند واقعاتی اغلاط کے باوجود وہ اس کتاب کو مجید امجد شناسی کے سلسلے میں قابلِ قدر اضافہ قرار دیتے ہیں۔

اس حصے کے باقی دو مضامین 'مجید امجد کا تنقیدی شعور' اور 'مجید امجد کے عروضی تجربات'، ڈاکٹر اسلم ضیاء کے اپنے تنقیدی شعور کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ مجید امجد کے تنقیدی نظریات کا سراغ انھوں نے ان کے لکھے ہوئے چند پیش لفظ، دیباچوں، مضامین، انٹرویوز اور چند نظموں کے تجزیے میں لگایا ہے۔ اس مضمون کو مجید امجد کی نثر نگاری کے تناظر میں بھی دیکھا جانا چاہیے۔ مجید امجد کی نثر پر بھرپور کام کی گنجائش اب بھی موجود ہے۔ 'مجید امجد کے عروضی تجربات' میں مصنف نے علمِ عروض پر اپنی مہارت سے کام لیتے ہوئے آزاد نظموں کی بحر اور صوتی آہنگ، پابند نظموں اور غزلوں میں اوزان کے تجربات کو عمدگی سے عیاں کیا ہے۔" (۲)

مندرجہ بالا رائے کے بعد کسی اور تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس میں مذکورہ تحریروں کے بنیادی خصائص کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

ڈاکٹر اسلم ضیاء نے 'تبرکات و نوادرات' کے زیرِ عنوان قائم کیے گئے تیسرے حصے کو ذیلی طور پر پانچ ۵ زُمروں میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

- مضامینِ مجید امجد: اس میں مجید امجد کی چھے ۶ نثری تحریریں یکجا کی گئی ہیں جن میں 'پچھوں میاں نے مرغیاں ڈربے سے نکالیں'، 'ہلالِ عید'، 'دیہاتی مولوی جی'، 'کامیابی کا صلہ' 'سولہ ہزار لاشوں کا ڈھیر' اور 'مراتب اختر کی غزلیں' شامل ہیں۔ آخری مضمون کی نوعیت تنقیدی ہے جبکہ پانچویں نمبر پر شامل ہونے والی تحریر عصری تاریخ کا اہم حوالہ ہے۔ اس میں پولینڈ میں نازی بربریت کی ایک خونی داستان رقم کی گئی ہے۔ دیگر تحریروں کا انداز ہلکا پھلکا ہے۔

- پیش لفظ/فلیپ: اس میں غلام محمد رنگین کی کتاب **غنچۂ رنگیں** پر لکھا گیا حرفِ اوّل، حکیم محمد افضل ہرل کی کتاب **بھٹکا ہوا راہی** کا پیش لفظ اور رفعت سلطان کی کتاب **ایمن** پر لکھا گیا فلیپ شامل ہیں۔

- مکاتیب مجید امجد: اس حصے میں مجید امجد کے دس ۱۰ غیر مطبوعہ خط شامل کیے گئے ہیں۔ان میں انھوں نے اپنی بیگم حمیدہ خاتون اور خالہ زاد بہن اقبال بیگم کے علاوہ عبدالکریم بھٹی، اسلم کریم، پروفیسر حیات خان سیال اور دو نامعلوم افراد کو مخاطب کیا ہے۔ان خطوں میں تین ۳ خط انگریزی میں ہیں۔

- کلامِ مجید امجد: اس حصے میں ایک نعت (معراجِ رسولؐ) اور دو ۲ سہرے شامل ہیں جو مجید امجد نے پرویز انجم صدیقی اور عبدالعزیز خاں یوسفی کی شادی پر لکھے۔

- دیگر سہرے: یہ مجید امجد کے تحریر کردہ نہیں بلکہ خود ان کی شادی پر ماسٹر غالب علی، شاکر عروجی اور پیر سیّد غوث شاہ گیلانی نے لکھے تھے۔

یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء نے بڑی کاوش سے تبرکات و نوادرات تلاش کیے ہیں اور انھیں پہلی بار نذرِ قارئین کیا ہے۔بحیثیت مجموعی ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء کی کتاب مجید امجد کے حوالے سے لکھی جانے والی کتب میں ایک اہم اضافہ قرار دی جا سکتی ہے۔

تفہیمِ مجید امجد

اٹھاسی صفحات پر مشتمل ڈاکٹر محمد امین کی یہ کتاب بیکن بکس ملتان سے ۲۰۱۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔اس کتاب کا انتساب 'مجید امجد کے چند دوستوں حاجی بشیر احمد، ناصر شہزاد اور مراتب اختر، قیوم صبا' کے نام کیا گیا ہے۔'تقدیم' کے زیرِ عنوان ڈاکٹر محمد امین کے تحریر کردہ چند سطری پیش لفظ اور 'ڈاکٹر محمد امین اور تفہیمِ مجید امجد' کے زیرِ عنوان سیّد عامر سہیل کے رقم کردہ ابتدائیہ سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔اس کے بعد ڈاکٹر محمد امین کی 'مجید امجد' کے عنوان پر لکھی گئی یہ نظم ہے:

ہمارے شہر میں اِک شخص ایسا ہے جو لوگوں سے یہ کہتا ہے
وصال و ہجر دھوکا ہیں کہ ان کا ماحصل دُکھ ہے
ہماری زیست خواہش کے سلاسل میں مقید ہے
کہ ہم سب ان تمناؤں کے قیدی ہیں کہ جن کا ماحصل دُکھ ہے
زمانہ گھومتے زینوں کا اک جبرِ مسلسل ہے جو پیہم گھومتے تقدیر لکھتے ہیں
دنوں کی اپنی تقدیریں، دنوں کی اپنی تعزیریں

کوئی محروم جیتا ہے، کوئی ناکام مرتا ہے
کسی کو کامیابی کا نشہ مخمور رکھتا ہے
یہ دُکھ دو سانس جینے پر ہمیں مجبور رکھتا ہے
یہی اک ظلم دیتا ہے۔ ازل سے تا ابد قائم ہے دائم ہے
اسی اک رسم دنیا کے سبھی پابند ہیں، شاہ و گدا، شاعر، مؤرخ اور سیاستدان
مگر وہ دیر سے اَب منتظر ہے یوں
وہ نونمبر کی بس جانے کب آئے گی
ہمارے شہر میں فصل بہاراں بھی کب آئے گی

اس منظوم تحریر کے بعد سولہ ۱۶ نثری تحریریں شاملِ کتاب ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی فہرست درج کر دی جائے:

۱۔ مجید امجد کی شخصیت
۲۔ مجید امجد کی شاعری کی نفسیاتی و فکری اساس
۳۔ مجید امجد کا عروضی آہنگ
۴۔ مجید امجد کے ہیئتی تجربے
۵۔ مجید امجد کی آخری نظموں کی ہیئت اور موضوع
۶۔ مجید امجد کی دو نظموں کا مطالعہ (مقبرۂ جہانگیر۔ صدا بھی مرگِ صدا)
۷۔ مجید امجد کی تین نظموں کا مطالعہ (ہیولا، ریلوے اسٹیشن پر، طلوعِ شہر)
۸۔ مجید امجد کی تمثال آفرینی
۹۔ مجید امجد ایک عوامی شاعر
۱۰۔ مجید امجد کی مستقبل شناسی
۱۱۔ مجید امجد کا شعورِ زمان و کائنات
۱۲۔ مجید امجد کا مذہبی رجحان
۱۳۔ مجید امجد کے شعر کا ایک پہلو
۱۴۔ مجید امجد کی غزل (مرگِ **صدا** کا دیباچہ)
۱۵۔ مجید امجد کی نثر
۱۶۔ مجید امجد کے چار خطوط

اس فہرست سے کتاب کے موضوعاتی تنوع کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ مضامین مختلف اوقات میں لکھے گئے۔ ان کا انداز زیادہ تر اشاروں کا سا ہے۔ یعنی مصنف نے تفصیل میں جانے کے بجائے تین تین چار چار صفحوں میں اپنے مباحث سمیٹ دیے ہیں۔ ان کی افادیت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد امین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے:

"اس مجموعے میں شامل مضامین مختلف اوقات میں لکھے گئے۔ ان کو جمع کر کے کتابی شکل دے رہا ہوں کہ مجید امجد کو سمجھنے میں مدد دیں گے اور نئے مباحث کو تحریک دیں گے۔" (۳)

جیسا کہ بتایا گیا، ڈاکٹر محمد امین نے متنوع موضوعات پر نہایت اختصار کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ یہ موضوعات مجید امجد کی شخصیت، ان کے شعری موضوعات، ان کی اختیار کردہ ہیئتوں، ان کے عروضی تجربوں اور فکر وفن کے بہت سے پہلوؤں سے متعلق ہیں۔اسی طرح بعض نظموں کے تجزیوں اور بعض نثر پاروں کی نشاندہی کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے۔اختصار کے باوجود ان سب تحریروں کی اہمیت ہے۔چنانچہ سیّد عامر سہیل کا یہ بیان درست ہے:

> ''یہ مضامین اگرچہ اختصار کا رنگ لیے ہوئے ہیں تاہم ان کی حوالہ جاتی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ بہت عرصہ پہلے یہ مضامین رسائل کی زینت بنے تھے۔تاہم اب یہ مضامین کتابی صورت میں یکجا ہو رہے ہیں اور قوی امید ہے کہ کلی مطالعہ میں یہ مضامین مجید امجد پر کام کرنے والوں کے لیے نہایت اہم ثابت ہوں گے۔''(۴)

مجید امجد (حیات، شعریات اور جمالیات)

ڈاکٹر ناصر عبّاس نیّر کی یہ تصنیف سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کا انتساب مجید امجد کے دوست صفدر سلیم سیال کے نام کیا گیا ہے۔ ۲۷۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے سات ۷ ابواب ہیں، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

- گزرگاہِ جہاں پر ۔۔۔ہم مسافر: مجید امجد کا سفرِ حیات و سفرِ ذات
- نظم کے ایواں کی اک اک سل: مجید امجد کی نظم نگاری و شعریات کے خاص خاص پہلو
- مجید امجد کی نظم کی جمالیات: ثقافت و فطرت کے سیاق میں
- زندگیوں کے صحن میں کھلتے ۔۔۔قبروں کے دروازے: مجید امجد کی نظم میں مُون کا مطالعہ
- مجید امجد کی نظموں میں اجل
- مجید امجد کی آخری دور کی نظمیں
- مجید امجد کی غزل گوئی

ان میں سے اکثر ابواب مقالات کی صورت میں بعض رسائل یا مرتبہ کتب میں شامل ہو چکے ہیں۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مجید امجد پر ناصر عبّاس نیّر کی یہ دوسری کتاب ہے۔پہلی کتاب 'مجید امجد: شخصیت اور فن' اکادمی ادبیات اسلام آباد سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی جو مشاہیر ادب کے حوالے سے لکھوائی جانے والی کتابوں کے منصوبے کا حصّہ تھی اور نسبتاً مختصر تھی۔دونوں کتابوں کے مندرجات بھی بہت حد تک مماثلت رکھتے ہیں۔زیرِ نظر کتاب کے پیش لفظ میں مصنّف نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ کسی ایک مصنّف پر کتاب لکھنے کا فیصلہ کرنا آخر کیا معنی رکھتا ہے۔

رقم طراز ہیں:

''یہ سوال شاید ہر اس شخص کو درپیش ہوتا ہے جو کسی سندی ضرورت، لالچ یا خارجی دباؤ کے بغیر کسی ایک مصنف پر پوری کتاب لکھنے کا فیصلہ کرتا ہے......ہم ایک مصنف پر کتاب لکھنے کا فیصلہ کر کے اپنی زندگی کی ترجیحات کا فیصلہ کرتے ہیں؛ ہم یہ اعلان کرتے کہ ایک خاص وقت میں ہمارے لیے سب سے اہم کیا ہے، جس کے لیے ہم اپنا وقت، توانائی، ذہنی و مادی وسائل بخوشی صرف کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اپنے آپ کو اپنے فیصلوں کے ذریعے دریافت کرتے ہیں۔(خصوصاً ان فیصلوں کے ذریعے جو دل سے کیے جاتے ہیں)......ایک مصنف پر کتاب لکھنا صرف اس کی تخلیق کی گئی دنیا کے معلوم و مخفی منطقوں کی چھان بین نہیں، خود اپنی تفہیم، تحسین، تعبیر کی صلاحیتوں کی دریافت اور ان کا امتحان بھی ہے۔ایک کتاب لکھنا گویا ایک طویل وقت امتحان گاہ میں صرف کرنا ہے۔ہم کتاب کی تصنیف کے دوران میں کسی مصنف اور اس کے متون کے ساتھ مہینوں، بعض اوقات سالوں پر محیط وقت ہی صرف نہیں کرتے، کئی ذہنی و جذباتی تبدیلیوں سے بھی گزرتے ہیں؛ کسی وقت مصنف سے لڑتے جھگڑتے، کسی لمحے مکالمہ کرتے، اس کی ہاں میں ہاں ملاتے، کبھی نفی میں سر ہلاتے اور کبھی بعض باتوں پر مکمل اتفاق بھی کر لیتے ہیں۔کسی مصنف پر ایک کتاب دو ذہنوں کی آمیزش و آویزش کا نتیجہ ہوتی ہے، اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک ذہن (بشرطیکہ فعال ہو) بھی اپنے اندر کتنی حشر سامانیاں رکھتا ہے۔لہٰذا کسی ایک مصنف پر کتاب کو دو ذہنوں کی ایک مشترکہ کاوش سمجھا جانا چاہیے۔اس بات کا امکان ہے کہ ایک ذہن بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو۔ چھوٹا ذہن بچے کی مانند انگلی پکڑ کے چلتا ہے کہ کہیں راستے میں گم نہ ہو جائے، بڑا ذہن پہلو میں چلتا ہے کہ مکالمہ کر سکے، اختلاف و اتفاق کر سکے اور انسانی تخلیقی کاوش کے معنی و مفہوم کے سلسلے میں کسی نئے راستے کو دریافت کر سکے۔''(۵)

مجید امجد پر لکھی گئی یہ کتاب اسی طرزِ فکر کا عملی اظہار ہے۔یہ کتاب اپنے مشمولات کے اعتبار سے بہت توجہ خیز ہے۔چنانچہ کتاب کے فلیپ میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے بجا طور پر اسے سراہا ہے۔لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے مجید امجد کے مختلف پہلوؤں پر چند منتشر مضامین لکھنے کی بجائے ایک مربوط کتاب تحریر کر دی ہے جو اس منفرد شاعر کے افکار و اسالیب کے نمایاں گوشوں پر ایک اہم اور پسندیدہ کتاب ثابت ہوئی ہے۔ڈاکٹر ناصر نے تمام دستیاب مواد کا مطالعہ بڑی عرق ریزی سے کیا ہے۔اس پر تنقیدی نظر ڈالی ہے اور حسبِ ضرورت نئی توجیہات کر کے

ایک ایسی کتاب تحریر کی ہے جو امجد شناسی کے ذخیرے میں منفرد اضافہ ہے۔انھوں نے مجید امجد کے تمام کلام کا موضوعاتی اور فنی جائزہ اس عمدگی سے لیا ہے کہ تمام ادوار کی فکری وفنی اہمیت واضح ہوگئی ہے۔اچھی بات یہ ہے کہ انھوں نے کسی دور کی شاعری کو کم تر اہمیت نہیں دی جوان کی تنقیدی بصیرت پر دلالت کرتی ہے۔"(۲)

جب ہم زیرِ مطالعہ کتاب کے مشمولات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ابواب کے عنوانات ان مباحث کی طرف ہماری راہنمائی کرتے ہیں جو ان ابواب میں زیرِ تجزیہ آئے ہیں۔پہلا باب مجید امجد کے سوانحی حالات اور شخصی کوائف خصوصاً ان کی ذہنی وتخلیقی پرداخت کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔مصنف نے دستیاب مواد سے استفادہ کرتے ہوئے مجید امجد کی شخصیت کا اچھا تجزیہ پیش کیا ہے۔انھوں نے ولادت سے وفات تک کا سفر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مجید امجد شناسی میں مختلف اہلِ قلم کی خدمات کا بھی اعتراف کیا ہے۔علاوہ ازیں انھوں نے تعزیتی پیغامات اور خراجِ تحسین پرمبنی منظومات کا حوالہ بھی دیا ہے۔یوں یہ مفصل باب مجید امجد کے احوال وآثار اور شخصی کوائف ومیلانات کو جاننے کا موقع فراہم کرتا ہے۔اہلِ علم جانتے ہیں کہ مجید امجد کی زندگی کے بعض گوشے نیم تاریک یا مخفی ہیں۔اس لیے ان کے بارے میں ملنے والی معلومات کو حتمی قرار دینا مشکل ہے۔تاہم ڈاکٹر ناصر عباس نیر کی محنت اور کاوش میں کوئی کلام نہیں۔

کتاب کے دوسرے باب میں مجید امجد کی نظم نگاری اور شعریات کے خاص خاص پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس باب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مجید امجد کی شاعری کا ارتقائی سفر بھی سامنے آجاتا ہے۔اس باب میں مجید امجد کی شاعری کے اہم موضوعات کے ساتھ ساتھ اہم فنی واسلوبیاتی پہلوؤں کو بھی محسوس کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یوں تو ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے اپنے پیش رو نقادوں سے بھی روشنی حاصل کی ہے،تاہم وہ تنقید کے جدید رجحانات سے استفادہ کرتے ہوئے مجید امجد کو قدرے مختلف اور غیر روایتی طریقوں سے سمجھنے سمجھانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً ایک مقام پر وہ مجید امجد کی اشیا اور مظاہر سے دلچسپی کی تعبیر اس انداز میں کرتے ہیں:

"مجید امجد ان اشیا اور مظاہر کو اپنی نظم میں بطورِ خاص اور خصوصی جگہ دیتے ہیں جنھیں ادبی اشرافیہ حاشیے پر دھکیلتی ہے۔اگرچہ مجید امجد کے یہاں ادبی اشرافیہ کی مقتدرہ اور اس کی رائج کردہ شعریات کو بلند بانگ انداز میں چیلنج کرنے کا رویہ نہیں ملتا،تاہم ادبی اشرافیہ کی شعریات کو ترک کرنے اور ایک نئی شعریات وضع کرنے کا خاموش مگر پوری طرح فعال پراسس ضرور ملتا ہے۔وہ عام،معمولی،حقیر اور کم تر اشیا کو اپنی نظم کے قالب میں لاتے ہیں۔

بذاتہ یہ کوئی کارنامہ نہیں،اس لیے کہ نظیر اکبر آبادی سے خوشی محمد ناظر تک کئی شعرا اس روش پر گامزن رہ چکے ہیں۔جو بات اسے غیر معمولی اور کارنامہ بناتی ہے،وہ یہ ہے کہ مجید امجد نے ان اشیا کی نشانیاتی اور معنیاتی تقلیب کر دی ہے۔یعنی مجید امجد کی نظم میں شامل ہونے کے بعد یہ اشیا معمولی،حقیر اور کم تر نہیں رہیں۔اشیا کا معمولی یا حقیر ہونا ان کا جوہری وصف نہیں، انھیں تاریخی عمل، سیاسی ترجیحات یا مقتدر ادبی شعریات کے دیے گئے مفاہیم ہیں۔مجید امجد کی نظم اشیا کے یہ مفاہیم بدل دیتی ہے۔بغیر سیاسی ترجیحات اور مقتدر شعریات کو بلند بانگ انداز میں چیلنج کیے۔''(۷)

تیسرا باب مجید امجد کی نظم کی جمالیات کے ایسے جائزے سے متعلق ہے جو ثقافت و فطرت کے سیاق میں لیا گیا ہے۔یہاں ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے مجید امجد کی جمالیات کو ایک طرف ماضی کے سوتوں میں اور دوسری طرف ان کے جذبات میں ڈھونڈنے کی سعی کی ہے۔اسی طرح وہ مجید امجد کے ہاں پائی جانے والی محاکاتی شاعری کی کلاسیکی مثالوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں اور جدید شاعری کے کثیر جذبیت (Multivalence) کے حوالے سے بھی ان کی جمالیات کا کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔کتاب کا یہ حصہ اپنے اندر کسی قدر پیچیدگی رکھتا ہے۔تاہم یہ ضرور ہے کہ مجید امجد کی شعری جمالیات کو دیکھنے اور اس کی تحسین کرنے کے نئے انداز سامنے لانے کا وسیلہ بنتا ہے۔یہاں ایک اقتباس دیکھیے:

''امجد کی نظم کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں صرف قصباتی و فطری زندگی کی آواز نہیں ملتی، بلکہ اس آواز کا کرب بھی موجود ہے جس کا تجربہ جدید انسان نے کیا ہے۔دوسرے لفظوں میں امجد کی نظم میں دو آوازیں بیک وقت موجود ہیں۔ایک فطرت کی قدیمی،اصلی،اساطیری آواز اور دوسری جدید عہد کے انسان کی غم آلود آواز۔یہ دونوں آوازیں باہم ضم ہو کر کسی نئی مختلف آواز کو جنم نہیں دیتیں،اپنے اپنے انفرادی لحن کو برقرار رکھتی ہیں۔اس سے نظم میں نشاط و ملال کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔فطرت کی قدیمی،اصل آواز اور جدید انسان کی شکستہ آواز___دو مختلف لحن، دو متضاد جہان ہیں؛ دونوں کے بیچ فاصلہ بھی ہے،اور ایک ہی متن میں ایک ساتھ ظاہر ہونے کی معجز نمائی بھی۔''(۸)

اگر چہ مجید امجد کی شاعری میں حزن و نشاط کا ویسا ہی امتزاج ملتا ہے جیسا انسانی زندگی میں پایا جاتا ہے تاہم ان کی ذاتی زندگی کی محرومیوں اور ان کے عطا کردہ شعور کی دین ہے کہ وہ حزن کی کیفیت اور اس کی گہرائیوں کو زیادہ اچھے انداز میں سمجھتے ہیں۔وہ قنوطیت کا شکار تو ہرگز نہیں ہوتے مگر ان کے ہاں حزن کی

حاکمیت سے دردمندی کی لازوال کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں مجید امجد کی شاعری کا اس تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔ کہیں ان کے ہاں وقت کی جبریت کے باعث حُزن کا احساس ابھرتا ہے، کہیں فنا کی حاکمیت ایسا کرتی ہے اور کہیں صوفیانہ روایات کے زیرِ اثر ایسا ہوتا ہے۔ بہر حال ان کے ہاں حُزن کی مختلف جہتیں ہیں۔ یہاں بھی ڈاکٹر ناصر عباس نیّر نے فلسفیانہ تحلیل و تجزیہ کی کوشش کی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> ''امجد کے حُزن کی جڑیں 'راجع بہ ماضی یادداشت' (Retrospective memory) میں ہیں۔ ان کے ہاں جہاں کہیں فنا پذیری کا ذکر ہوا ہے، وہ ماضی کے سنسناتوں، گاتی ناچتی صدیوں کے تناظر میں ہوا ہے۔ زندگی کا لمحۂ مختصر، لمحۂ حاضر ہے، مگر اس کی معنویت بجھتے جگنوں کی نسبت سے ہے۔ گویا ماضی کا گہرا سایہ، حال کے روشن لمحے پر مسلسل پڑ رہا اور اس کی لحاتی چمک کو ماند کر رہا ہے۔ وہ جب لمحۂ مختصر کو اپنا کہتے، یا اس کی ملکیت جتاتے ہیں تو 'آہ' بھرتے ہیں، اور اس لمحۂ مختصر کو ایسی فرصت سمجھتے ہیں جو آہ و نالہ کے لیے انسان کو حاصل ہے۔ یہی امجد کی شاعری کا حُزن ہے۔ دوسری طرف فنا پذیری کا تعلق 'راجع بہ مستقبل یادداشت' (Projective memory) سے ہے۔ ہماری موت، مستقبل کی حقیقت ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ مجید امجد کی نظم یہاں بھی ہماری توقع کی شکست کرتی ہے۔ ان کی نظم انسان کی فنا پذیری پر مرتکز ہونے کے باوجود 'راجع بہ مستقبل یادداشت' میں اسیر نہیں ہوتی۔ دو ایک جگہوں پر 'دور کہیں، اس پار وہ دنیا' کی تمثال ظاہر ہوئی ہے، مگر یہ تمثال موتف نہیں بنی۔ موتف اگر ہے تو وہ یہ ہے: ''یہ جلتے لمحوں کا الاؤ/ اس جیون میں دمِ غم تجزر/...... پگ پگ شعلے ...... تٹ تٹ طوفاں/ اور مرا دل/ بجھتے جگنوں کی راکھ میں لت پت'' اس کے نتیجے میں ان کی نظم ماضی کے نقوش (Traces)، تمثالوں کی آماج گاہ بنی ہے۔''(۹)

جہاں حُزن کا تذکرہ ہو وہاں اجل بھی سامنے آ جاتی ہے۔ مجید امجد کی شاعری میں بھی موت اور فنا کا تصور مختلف حوالوں سے آیا ہے۔ اس میں سب سے اہم حوالہ تو وقت ہے۔ وہ رفتگاں کی یاد کے حوالے سے بھی موت کو موضوع بناتے ہیں اور ایک تقدیری قوت کے طور پر بھی۔ عہد بہ عہد ان کے ہاں موت کے تصور کے مختلف روپ ظاہر ہوتے رہے ہیں اور وہ اسے ایک ناگزیر حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے رہے ہیں۔ زیرِ مطالعہ کتاب کے پانچویں باب میں مختلف نظموں کو سامنے رکھتے ہوئے مجید امجد کے ہاں پائے جانے والے موت کے تصور کی مختلف جہتوں کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر رقم طراز ہیں:

> ''مجید امجد کی نظموں میں جن بنیادی مسائل کو اہمیت تفویض ہوئی ہے ان میں ایک اہم مسئلہ

اور سروکار وہ نظامِ فنا ہے جس کی زد میں سیلِ ہستی ہے۔ اجل ایک کلیدی سروکار کے طور پر ان کی نظم نگاری کے پورے سفر میں ان کے ہم رکاب رہی ہے۔ ایک ہی موضوع خواہ کتنا ہی اہم اور بنیادی کیوں نہ ہو، جب کسی تخلیق کار کو گرفت میں لے لے تو اس تکرار کا موجب بن سکتا ہے جو اس تخلیق کار کی تخلیقی موت کا اعلامیہ ہے۔ مجید امجد کو سب گوارا تھا مگر تخلیقی موت نہیں۔ چنانچہ وہ موت کو اپنے پورے نظمیہ سفر میں ہم رکاب رکھنے کے باوجود تکرار کے مرتکب نہیں ہوتے۔ ان کے یہاں اجل کے کئی روپ اور بہروپ ہیں۔ وہ ایک نظم میں موت کے جس رخ یا جس عمل سے آگاہ ہوتے ہیں اسے دوسری نظم میں کسی نئے رخ کی نقاب کشائی کا وسیلہ تو بنا لیتے ہیں مگر اسے دوہراتے نہیں۔" (۱۰)

مجید امجد کے شعری ارتقا میں نو مشقی کے زمانے کی شاعری کو چھوڑ کر ایک عجیب و غریب قادر الکلامی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ آخری چند برسوں کی نظموں میں یہ قادر الکلامی ڈاکٹر خورشید رضوی کے الفاظ میں نادر الکلامی کے درجے تک پہنچ گئی ہے۔ دورِ آخر میں مجید امجد نے دو اڑھائی سو نظمیں ایک ہی آہنگ کی متنوع صورتوں میں لکھیں۔ اس بات کا اظہار انھوں نے ایک سے زیادہ مقامات پر کیا ہے کہ وہ جو کہنا چاہتے ہیں وہ اسی آہنگ میں ممکن ہے۔ عروض سے ناواقف بعض لوگوں نے انھیں نثری نظم کی ذیل میں بھی شامل سمجھ لیا، حالانکہ ان کی مختلف زحافات کو سامنے رکھتے ہوئے تقطیع کی جا سکتی ہے۔ بہر حال یہ نظمیں آزاد نظم کی ہیئت میں ہونے کے باوجود زیرِ سوال ضرور رہی ہیں۔ ایک تو ان سے آہنگ کی یکسانیت کی شکایت کی گئی ہے اور دوسرے یہ کہ ان کی تفہیم و تحسین کی راہ میں، ان میں پائے جانے والے ابہام کو رکاوٹ سمجھا گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ تمام نظموں کی تفہیم کا حق ابھی تک شاید کسی سے بھی ادا نہیں ہو سکا۔ تاہم بعض نظمیں ایسی ہیں جن کی تفہیم و تحسین کی کامیاب کوششیں سامنے آئی ہیں۔ جیسے 'پھولوں کی پلٹن' اور 'ایکسیڈنٹ' وغیرہ۔ ایسی نظموں کے اچھے تجزیے دستیاب ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے کتاب کے چھٹے باب میں ان نظموں کو ابہام اور آہنگ دونوں حوالوں سے موضوع بنایا ہے اور ان کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کی سعی کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ:

"مجید امجد کی ان نظموں کی اہمیت کا اہم زاویہ یہ ہے کہ یہ فوق شاعری (Super Poetry) کی مثال ہیں اور ان کا مطالعہ اسی تصور کے تحت کیا جانا چاہیے۔" (۱۱)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے، مجید امجد بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہونے کے باوجود غزل کے بھی بہت اچھے شاعر ہیں۔ ان کی غزلیں اپنے فکر و فن دونوں حوالوں سے اہم ہیں۔ وہ حقیقی، استعاراتی اور علامتی تمثالیں تخلیق کرتے ہیں اور ان کی غزلوں میں کچھ زیادہ ریزہ خیالی بھی نہیں پائی جاتی بلکہ بہت حد تک

موضوعاتی ربط موجود رہتا ہے۔ان کے ہاں فنا کی حد تک اپنی حد کا عرفان بھی ہے اور انا کی فعالیت بھی۔اسی طرح ان کی غزل میں تازہ آہنگ اور تازہ مضمون موجود ہے۔یہ تمام خصوصیات مجید امجد کی غزل کو ان کی نظم کی طرح منفرد اہمیت عطا کرتی ہیں۔ڈاکٹر ناصر عباس نیّر نے کتاب کے آخری باب میں مجید امجد کی غزل کے ان تمام خصائص کا احاطہ کیا ہے۔ان کا بیان ہے کہ:

> ''حقیقت یہ ہے کہ جس نوع کی انفرادیت ان کی نظموں میں ہے، اسی نوع کی انفرادیت ان کی غزلوں میں بھی ہے ...... دوسرے لفظوں میں مجید امجد نظم کی تخلیق میں جس فنی اہتمام کا مظاہرہ کرتے ہیں، اسے غزل میں بھی روا رکھتے ہیں۔''(۱۲)

حاصلِ کلام کے طور پہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر کی یہ کتاب مجید امجد شناسی کے حوالے سے ایک عمدہ تحقیقی و تنقیدی کاوش ہے۔اس کا تاثر عالمانہ ہے جو مجید امجد کی شاعری کے مختلف ابعاد کو سامنے لانے کا وسیلہ بنتا ہے۔

مجید امجد ۔تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

اس کتاب کے مصنّف ڈاکٹر نوازش علی ہیں۔فراق گورکھپوری پر پی ایچ۔ڈی کے مقالے کے بعد یہ ان کی سب سے اہم تصنیف ہے۔اسے اردو اکیڈمی پاکستان، لاہور نے ۲۰۱۴ء میں شائع کیا۔یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔اس کے صفحات کی تعداد ۵۵۹ ہے۔مصنّف نے اس کا انتساب اپنے بچوں انیل مرتضیٰ، ارفع نوازش اور اقرا نوازش کے نام کیا ہے۔اس کتاب کی تمہید معروف مجید امجد شناس ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، پروفیسر امریطس اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے لکھی ہے، جو اشاعتی ادارے کے مہتمم بھی ہیں۔اس تمہید کا عنوان 'مجید امجد شناسی کی پائیدار بنیاد' ہے۔اس میں سخن فہمی کے ساتھ ساتھ طرف داری کا انداز بھی اختیار کیا گیا ہے اور مصنّف کو بہت زیادہ سراہا گیا ہے۔اس کی نمایاں خصوصیات کی تحسین کرتے ہوئے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے اسے مجید امجد شناسی کے ضمن میں وہی مقام دیا ہے جو غالب شناسی میں یادگارِ غالب کو حاصل ہے۔لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر نوازش علی نے اپنی اس نہایت عمدہ تصنیف کے ذریعے مجید امجد شناسی کی روایت میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کاوش مجید امجد شناسی میں اسی طرح کی پائیدار بنیاد بنے گی جو یادگارِ غالب نے غالب شناسی کے لیے فراہم کی تھی۔آئندہ مجید امجد پر جو کچھ لکھا جائے گا اس میں 'مجید امجد۔تحقیقی و تنقیدی مطالعہ' کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہوگا۔''(۱۳)

یہ کتاب مجید امجد کے سوانح، شخصیت، فکر، فن اور اسلوب، گویا تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ان پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گذشتہ دو برسوں سے وہ مجید امجد پر ایک مربوط، جامع اور مستند کتاب لکھنے میں منہمک رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے متعلقہ مواد کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ شخصی رابطوں کی مدد سے حیاتِ امجد پر ایسی الجھنوں کو سلجھایا ہے جن پر ابہام کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اب اس کتاب کے ذریعے ان کی مستند سوانح منظرِ عام پر آ گئی ہے۔
کلامِ مجید امجد کو بار بار پڑھنے اور اس کی دقتوں کو سلجھانے کی یہ کوشش بہت کامیاب ہے۔ اس شرح و بسط اور جامعیت کی حامل کوئی تصنیف اب تک سامنے نہیں آئی، جس میں کلام کی تہ در تہ گہرائیوں کو ادبی ذوق اور فنی شعور کی مدد سے اتنی کامیابی سے آشکار کیا گیا ہو۔ اس کتاب میں قاری مجید امجد کے افکار و اسالیب کی دنیا سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ اتنے بڑے شاعر کو ہماری تنقید نے کس وجہ سے نظر انداز کر رکھا تھا۔'' (۱۴)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی اس تمہید کے بعد مصنّف کا لکھا ہوا پیش لفظ بعنوان 'چھتناروں کے سائے میں' مرقوم ہے۔ اس میں مصنّف نے اپنے اساتذہ پروفیسر ضیاء الرحمٰن آغا اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی تحسین کی ہے، جن کے توسط سے وہ مجید امجد کی تخلیقی شخصیت کے قریب ہوئے۔ اسی طرح انھوں نے اپنے بعض احباب کا رسمی طور پر شکریہ ادا کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس میں انھوں نے مجید امجد کی تفہیم و تحسین کے لیے موجود بعض دقتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مجید امجد شناسی کو افراد ہی نہیں زمانوں کی ضرورت ہے۔ رقم طراز ہیں:

''مجید امجد کا مطالعہ کرتے ہوئے نقادانِ فن کو اپنے بنے بنائے تنقیدی گھروندوں سے باہر نکلنا اور اپنے مطالعے کی نوعیت کو تبدیل کرنا پڑے گا۔ اس حوالے سے مجھے تو مجید امجد آج ہی کا نہیں، مستقبل بعید کا بھی شاعر معلوم ہوتا ہے جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے، جو بھی کہیے، آج ہمارے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ یہ میرا ذاتی احساس ہے کہ ہر بڑا شاعر افراد سے نہیں، زمانوں سے کھلتا ہے اور ابھی مجید امجد پر تو چار دہائیاں بیتی ہیں۔'' (۱۵)

یہ درست ہے کہ ہر بڑے فنکار کی تفہیم و تحسین کو زمانے درکار ہوتے ہیں۔ اصل میں ایسے نابغہ لوگ اپنے وقت سے پہلے پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کی تفہیم و تحسین کے زمانے بعد میں آتے ہیں۔ غالب نے اسی لیے کہا تھا کہ:

شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن

اوراس طرح کے گلے بھی کیے تھے:

میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

کس زبانِ مرا نمی فہمد

لیکن ظاہر ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دریافت کے مراحل بھی طے ہونے لگتے ہیں اور پھر دریافتِ نو (Re-discovery) کا تسلسل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غالب کو حالی اور عبدالرحمٰن بجنوری جیسے لوگوں نے دریافت کرنے کی بنیادیں فراہم کیں۔ اسی طرح محمد حسن عسکری اور شمس الرحمٰن فاروقی نے میر تقی میر کو از سرِ نو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ مجید امجد بھی ایسے ہی بڑے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے بھی آنے والے زمانوں کی بات کی تھی۔ ان کا شعر ہے:

جو میرے کُنجِ دل میں گونجتے ہیں

نہیں دیکھے وہ دنیا نے زمانے

اب مجید امجد کے دل میں گونجنے والے زمانے رفتہ رفتہ دریافت ہو رہے ہیں جو اصل میں انھی کی دریافتِ نو کے مترادف ہیں۔

کتاب کا پہلا حصہ 'مجید امجد: سوانح اور شخصیت' کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل پانچ ۵ حصے ہیں:

ا۔ مطبوعہ سوانحی مواد کا سرسری جائزہ، ب۔ مری عمرِ رواں ہے اور میں ہوں

ج۔ زمانوں کی دھند سے ابھرتے افسانے، د۔ زباں پر نہ لانا نامِ شیریں کے حرف

ہ۔ مرجھائی ہوئی موجِ تبسم

زُمرۂ اوّل میں مجید امجد پر لکھی گئیں سات مطبوعہ سوانحی تحریریں پیشِ نظر رکھی گئی ہیں۔ ان میں مجید امجد کے اپنے تحریر کردہ مختصر سوانحی خاکے کے علاوہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی دو اور ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر عامر سہیل، ناصر شہزاد اور ڈاکٹر ناصر عباس نیّر کی ایک ایک تحریر شامل ہے۔ مصنف نے اکثر تحریروں میں موجود اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ اگرچہ انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

> ''جہاں جہاں میری دانست میں ناقدین، محققین اور مجید امجد کے قریبی احباب ڈگمگا گئے ہیں یا اپنے تضادات کو خود محسوس نہیں کر سکے، ان تضادات کو حل کرنے اور صحیح صورتِ حال کو بیان کرنے کی اپنی سی کوشش کی گئی ہے۔ یقیناً تادیب مقصود نہیں بلکہ تحقیقی اعتبار سے مستند مواد کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔''(۱۶)

تاہم یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے محبوب سے محبت کم کی ہے اور رقیبوں کی سرزنش پر زیادہ توجہ دی ہے۔اسی طرح انھوں نے اس حصّے میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"راقم نے ان کے تخلیقی سوانح کو ان کے واقعاتِ زندگی اور واقعاتِ زندگی کو ان کی تخلیقی شخصیت کے مقابل رکھ کر دونوں کے تال میل سے ان کے سوانح مرتب کیے ہیں۔"(۱۷)

مگر یہ بات بھی محلِ نظر ہے۔ظاہر ہے کہ شاعری کسی شاعر کی سوانح عمری نہیں ہوتی۔پرندے پر نظم لکھنے والا پرندہ یا بیوہ پر نظم لکھنے والا خود بیوہ نہیں ہو جاتا۔اس لیے یہ فارمولا قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر نوازش علی نے مجید امجد کے سوانح ترتیب دینے میں بہت محنت سے کام لیا ہے۔انھوں نے مجید امجد کے ایک عزیز سجاد احمد ساجد بن عزیز بخش بھٹی کی معاونت سے شاعر کے ددھیال اور ننھیال کا شجرۂ نسب بھی مرتب کیا ہے۔ڈمرۂ نسب میں مجید امجد کے احوال بڑی ترتیب سے بیان کیے ہیں۔تاہم یہاں بھی ان کا طریق کار یہ رہا ہے کہ وہ اوّلاً لوگوں کی غلطیاں بیان کرتے ہیں اور بعد میں اپنی تحقیق کے مطابق درست معلومات درج کرتے ہیں۔شاید یہ طریق کار زیادہ اچھا ہوتا کہ وہ اپنی عبارت میں حقائق بیان کرتے جاتے اور غلط یا اختلافی بیانات کی طرف حواشی میں اشارہ کر دیتے۔

حصہ اوّل کے تیسرے ڈمرے میں مجید امجد کی بعض نظموں کے حوالے سے ان کی زندگی کے واقعات کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ ایک اچھی کوشش ہے،تاہم اس ضمن میں ہم اپنا نقطۂ نظر اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سوانح اور شاعری لازم وملزوم نہیں ہوتے۔

مجید امجد کی زندگی میں ایک جرمن لڑکی شالاط بھی آتی ہے۔اس لڑکی سے ایک عارضی سا ربط ضبط مجید امجد کے دل کے تاروں کو ہلا جاتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا نے تو اس حوالے سے پوری داستانِ محبت ہی رقم کر ڈالی ہے۔بہر حال اس کا وجود کوئی ہیولیٰ بھی نہیں تھا۔یہ الگ بات کہ زیبِ داستاں کے لیے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر نوازش علی نے چوتھے ڈمرے میں شالاط اور مجید امجد کے تعلق اور اس تعلق سے تخلیق پانے والی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے اور مبالغہ آمیز نتائج سے گریز کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ اس تجربے کو مجید امجد کی شاعری پر مرتسم ہونے والے خوبصورت اثرات کا وسیلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کی تخلیقات سے واضح ہے کہ شالاط سے ان کے چندروزہ تعلقات مختلف رنگوں اور شکلوں میں جلوہ گر ہوئے۔یہ تعلقات ان کی پختہ عمری میں ایک بڑے شعری تجربے کی اساس بنتے ہیں۔یہ شعری تجربہ ان کی شاعری میں کئی ایک زاویوں سے اپنی موجودگی کا اثبات کراتا ہے۔چنانچہ ان کی شاعری میں دلآویز اور منفرد علامات اور امیجز کا ظہور ہونے لگتا ہے۔"(۱۸)

پانچواں اور آخری حصہ مجید امجد کی تخلیقی شخصیت اور ان کی ذات کے کرب کو ظاہر کرنے سے متعلق ہے۔یہ ایک اہم تحلیل و تجزیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس میں مجید امجد کے ذوقِ مطالعہ کی مختلف نوعیتوں مشاعروں وغیرہ سے گریز اور محدود ادبی سرگرمیوں میں شرکت کے حوالے سے ان کی دردمند شخصیت کو جانچا گیا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر نوازش کا بیان ہے:

''مجید امجد کی شخصیت اور ذات ایک دوسرے سے باہم مربوط تھیں۔وہ اپنی شخصیت سے ذات کی طرف بڑھتے اور جستجو کرتے نظر آتے ہیں۔ان کی پوری شاعری اسی جستجو کا نتیجہ تھی۔''(۱۹)

ڈاکٹر نوازش کی اس کتاب کا نصف سے زیادہ حصہ مجید امجد کے سوانح اور شخصیت سے متعلق ہے۔طریقِ کار کے ساتھ اختلاف کے باوجود بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف نے اس حصے میں مجید امجد کی شخصیت کا کھوج لگانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔انھوں نے ایک طرف تو مقداری یا کمیتی تحقیق (Quantitative Research) کے طریقِ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے حقائق کی بازیافت کی سعی کی ہے تو دوسری طرف معیاری یا کیفیتی تحقیق (Qualitative Research) کے طریقِ کار کو اختیار کرتے ہوئے تحلیل و تجزیہ کی بھی بھرپور کوشش کی ہے اور وہ دونوں میں کامیاب رہے ہیں۔یہاں ہم ٹائرس ہلوے (Tyrus Hillway) کی کتاب An Introduction to Research کا حوالہ دینا چاہتے ہیں، جس میں انھوں نے تحقیق کو درجہ بندی کے اعتبار سے تین حصوں میں متعارف کروایا ہے۔پہلا حقائق کی تلاش (Facts Finding) اور دوسرا تنقیدی تعبیر و تشریح (Critical Interpretation) ہے اور دونوں کے ملنے سے تیسرا اور اعلیٰ ترین درجہ پیدا ہوتا ہے جسے وہ کامل تحقیق (Complete Research) قرار دیتا ہے۔زیرِ مطالعہ کتاب کے سوانح و شخصیت سے متعلق حصے میں ہمیں تحقیق کے یہ تمام درجے بہت حد تک جلوہ آرائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

کتاب کا دوسرا باب 'مجید امجد کی شاعری۔عملِ خیر کا تسلسل' ہے۔یہ عنوان مجید امجد کے اپنے ہی بیان سے اخذ کیا گیا ہے۔وہ ادب کو عملِ خیر کا تسلسل سمجھتے ہیں۔انھوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا:

''جب سے یہ دنیا بنی ہے اور جب تک زمین سورج کی روشنی سے زندہ رہے گی، یہاں ایک چیز جاری رہی ہے اور وہ ہے 'عملِ خیر کا تسلسل'۔میں اسی تسلسل میں شعر لکھتا ہوں۔''(۲۰)

مجید امجد کا یہ بیان ادب برائے ادب کے نعرے کی تکذیب کرنے کے ساتھ ساتھ ادب برائے زندگی کے مخصوص مفہوم سے بلند تر ہے۔ظاہر ہے کہ انھوں نے ادبی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے شاعری کی ہے اور

نامحسوس طور پر شاعری کو کارِ خیر کا وسیلہ بنایا ہے۔ڈاکٹر نوازش علی نے بہت سی نظموں کو حوالہ بناتے ہوئے مجید امجد کی شاعری کو عملِ خیر کا تسلسل قرار دیا ہے جو اپنے وسیع تر مفہوم میں بالکل درست ہے۔

اس سے اگلا باب 'مجید امجد کا تصورِ ہیئت ۔روایتی ہیئتیں اور ہیئتی تجربات' کے زیرِ عنوان ہے۔اس باب میں مجید امجد کے پورے کے پورے کلیات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف زُمروں میں تقسیم کر کے ان کی اختیار کردہ شعری ہیئتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔مجید امجد ہیئت سازی کے اعتبار سے اپنے عہد کے سب سے ممتاز شاعر ہیں۔انھوں نے روایتی ہیئتوں میں بھی شاعری کی ہے۔کہیں ان روایتی ہیئتوں کو روایتی پابندیوں کے ساتھ برتا ہے اور کہیں جزوی تصرّفات سے کام لیا ہے۔اسی طرح مجید امجد نے مغرب سے آنے والی ایک آدھ پابند ہیئت مثلاً اسٹینزا کو بھی اپنایا ہے مگر اپنے عہد میں ن م راشد اور میراجی جیسے پیش رو شعرا کے ہاتھوں فروغ پانے والی آزاد نظم (Free Verse) کی ہیئت پر خاص توجہ دی ہے۔اسی طرح ان کے ہاں مخلوط ہیئتیں بھی ملتی ہیں جو ہیئتی تجربات کی ذیل میں آتی ہیں۔ڈاکٹر نوازش علی نے تمام ہیئتوں کا جائزہ پیش کیا ہے۔آخر میں وہ مجید امجد کی ہیئت کے معاملے میں تنوع پسندی کے بارے میں رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مجید امجد کا تخلیقی باطن اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس ہیئت کو دریافت نہ کر لے جو ہر احساس کے بطن میں زندہ ہے اور ہر فکر کی روح میں پوشیدہ ہے۔یہی بے چینی اور یہی احساس انھیں نئی سے نئی ہیئتوں کی تشکیل و دریافت کی طرف لے جاتا ہے۔چنانچہ وہ اپنے تخلیقی تجربوں سے نظم کے ایسے ایوان تعمیر کرتے ہیں جو ان سے پہلے اردو نظم میں دور دور تک دکھائی نہیں دیتے۔" (۲۱)

جیسا کہ بیان ہوا، مجید امجد نے آزاد نظم کی ہیئت پر بطورِ خاص توجہ دی ہے۔اور اپنی عمر کے آخری چند برسوں میں تو انھوں نے کثیر تعداد میں ایسی آزاد نظمیں لکھیں جو ایک ہی آہنگ کی مختلف صورتوں سے عبارت ہیں۔ان میں ابہام بھی خاصا پایا جاتا ہے اور ابھی ان نظموں کی تفہیم و تحسین کا حق ادا نہیں ہوا۔ڈاکٹر نوازش علی نے 'مجید امجد کی آزاد نظم ۔چند مباحث' کے زیرِ عنوان ایک الگ باب قائم کیا ہے۔جس میں اُن کی آزاد نظموں کا ہیئت و فن کے حوالے سے بھرپور جائزہ لیا ہے۔اس ضمن میں ان کے ارتقائی سفر پر بھی روشنی ڈالی ہے اور دورِ آخر میں اختیار کیے گئے بحرِ متقارب کی مختلف مزاحف صورتوں سے عبارت آہنگ، جس میں کہیں کہیں بحرِ متدارک اور اس سے متعلق زحافات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، کے مباحث بیان کیے ہیں۔بعض ماہرین کے نزدیک متقارب و متدارک کا اختلاط جائز نہیں۔بہرحال مجید امجد کے ہاں اس سے جو مخصوص آہنگ تشکیل دیا گیا ہے وہ ان کی آزاد نظموں کو ایک خاص روپ دیتا ہے جو انھیں آزاد نظم لکھنے والوں میں ایک انفرادیت سے نوازتا ہے۔ڈاکٹر نوازش علی نے اس ضمن میں اچھی بحث کی ہے۔

اس سے اگلا باب 'مجید امجد کی غزل' کے لیے مخصوص ہے۔ یہ باب دراصل اُس مقالے کی اصلاح شدہ اور ترقی یافتہ صورت ہے جو ڈاکٹر نوازش علی نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں ایم۔اے اردو کے لیے تحریر کیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، مجید امجد اپنے عہد کے ایک ایسے نظم نگار ہیں جن کی غزل بھی قابلِ لحاظ ہے اور اس حوالے سے فیض احمد فیض کے سوا کوئی شاعر ان کے ساتھ بریکٹ نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر نوازش علی نے اس باب میں مجید امجد کی غزل کا فکری و موضوعاتی اور فنی و اسلوبیاتی جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے بغرضِ تقابل بعض اور شاعروں کا بھی ذکر کیا ہے مگر حیرت ہے کہ ناصر کاظمی اور فیض کو بھول گئے ہیں۔ ڈاکٹر نوازش علی اپنے ممدوح سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ جیسے انھوں نے سوانحی حصے میں بعض نقادوں کی خبر لی ہے، یہاں بھی وہ اپنے اس انداز کو برقرار رکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے حمید نسیم کے اس بیان کی تکذیب کی ہے کہ غزل میں مجید امجد کے پاس کوئی مضمونِ تازہ، کوئی نیا آہنگ نہیں کیونکہ ان کے خیال میں مجید امجد کی غزلیات میں ایسے اشعار بکثرت موجود ہیں، جن میں مضمونِ تازہ بھی موجود ہے اور نیا آہنگ بھی۔ اپنی بات کی تائید میں ڈاکٹر نوازش علی نے بہت سے اشعار درج کیے ہیں۔ حمید نسیم کے علاوہ ڈاکٹر نوازش علی نے نظیر صدیقی کی بھی خبر لی ہے۔ انھوں نے نظیر صدیقی کا یہ بیان نقل کیا ہے:

> ''غزل میں بھی انھوں (مجید امجد) نے ایک زبردست تبدیلی لانے کی کوشش کی ہے۔ اردو کی روایتی غزل میں جتنا بڑا انقلاب اقبال نے پیدا کیا، اتنا ان سے پہلے اور ان کے بعد کوئی اور نہ کر سکا۔ انھوں نے غزل کا موضوع، اس کی زبان، اس کا لہجہ اور اس کی فضا بالکل بدل ڈالی۔ غزل میں کم و بیش اتنی ہی بڑی تبدیلی مجید امجد نے بھی پیدا کی ہے۔ جس طرح اقبال کی غزل سے کسی اور کی غزل نہیں ملتی اسی طرح مجید امجد کی غزل سے ان کے معاصرین کی غزلیں بالکل نہیں ملتیں۔ بس فرق اتنا ہے کہ اقبال کی غزلیں اپنی ساری تبدیلیوں کے باوجود غزلیت یا تغزل Lyricism سے خالی نہیں۔ مجید امجد اپنی شاعری میں خواہ وہ نظم کی شاعری ہو یا غزل کی، تغزل کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔'' (۲۲)

اس بیان کی نفی کرتے ہوئے ڈاکٹر نوازش علی لکھتے ہیں:

> ''نظیر صدیقی کی تغزل سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ محض Lyricism کو تغزل کہہ رہے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ مجید امجد روایتی غزل گو شاعر نہیں ہے۔ مجید امجد کی غزل ان کے انفرادی تخلیقی تجربے کے اظہار کا ایک وسیلہ ہے۔ انھوں نے غزل کی شاعری کی روایتی فضا کو بدل ڈالا ہے۔ ان کی غزلوں کی زبان اور لہجہ، حتیٰ کہ طرزِ احساس تک بدلا ہوا ہے۔ لہٰذا ان کی غزل

> سے لطف اندوز ہونے کے لیے روایتی غزل کے قاری کو اپنے ذوقِ شعری اور ذوقِ سماعت کی حدود کو وسعت دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ......مجید امجد اپنے انفرادی تخلیقی تجربے کے باعث نئی روایتوں کا امین ہے۔ایسے شاعر کے قاری سے بھی کچھ مطالبات ہوا کرتے ہیں جنھیں نظر انداز کر کے شاعر کو پورے طور پر سمجھنا محال ہوا کرتا ہے۔شاعر کے بدلے ہوئے طرزِ احساس اور بدلے ہوئے مذاقِ تخلیق کے باعث نظیر صدیقی جیسے نقادوں کو ان کی غزل میں تغزل Lyricism ' کی کمی محسوس ہوتی ہے۔''(۲۳)

یہاں یہ بات محلِ نظر ہے کہ ڈاکٹر نوازش علی نے تغزل کے حوالے سے تو نظیر صدیقی کے بیان کی گرفت کی مگر انھوں نے اقبال کی غزل کی طرح کا جو رتبہ مجید امجد کی غزل کو دے دیا اس پر ان کی نفی نہیں کی حالانکہ اقبال کی غزل سے مجید امجد کی غزل کو ایسی کوئی نسبت نہیں ہے۔یہی انصاف ہے۔دراصل سٹراؤس (Straus) کے بقول بعض اوقات ایک محقق اپنے موضوع کے معاملے میں حساسیت (Sensitivity) کا شکار ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر نوازش علی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔مجید امجد کی عظمت میں کلام نہیں،مگر ان کے حق میں لکھتے ہوئے عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جانا ضروری تھا۔کہیں کہیں تقابل میں دوسرے شعرا کی تحقیر و تخفیف کا پہلو بھی نکلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔مثلاً ایک مقام پر ڈاکٹر نوازش علی نے مجید امجد کی ایک عادت بیان کی ہے کہ مختلف فرہنگ اور لغات ان کے زیرِ مطالعہ رہتے تھے۔اس حوالے سے ان کی لفظ شناسی کو سراہتے ہوئے انھوں نے تین اساتذۂ فن کی تخفیف کی ہے۔دیکھیے:

> ''......میر انیس،ظفر علی خاں اور اقبال،ان تینوں شعرا اور مجید امجد میں ایک فرق ضرور ہے۔مجید امجد کے ہاں یہ سب کچھ شعوری سطح پر ہوتا ہے۔اس اعتبار سے اس کے شعور کا دائرہ اپنی وسعتوں کا احساس دلاتا ہے۔وہ زندگی کا عمیق ترین اور مکمل ترین شعوری تجربہ کرنا چاہتا ہے۔''(۲۴)

اس نوع کے بعض تحفظات کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر نوازش علی نے مجید امجد کی غزل گوئی کے اہم فکری و موضوعاتی اور فنی و اسلوبیاتی پہلوؤں کو بیان کرنے کی اچھی کاوش کی ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب کا آخری باب نہایت اہم ہے اور وہ ہے 'مجید امجد اور ان کے ہم عصر شعرا'۔اس باب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تقابل کرتے ہوئے غیر ضروری طور پر کسی شاعر کی تحقیر و تخفیف نہیں کی گئی۔اس میں مجید امجد کے عہد کے اہم شاعروں مثلاً میراجی، راشد، فیض، مختار صدیقی، احمد ندیم قاسمی، عزیز حامد مدنی، ناصر کاظمی، ضیا جالندھری اور منیر نیازی وغیرہ کے بنیادی رجحانات اور فکری و فنی خصائص بیان کر کے مجید امجد

سے ان کا اوران سے مجید امجد کا مختلف ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ ایک ہی عہد میں بیک وقت کئی منفرد آوازیں اور کئی بڑے شاعر ہو سکتے ہیں۔ڈاکٹر نوازش علی نے اپنے ممدوح کے اوصاف بیان کرتے ہوئے سب کو واجب احترام دیا ہے۔اس لحاظ سے یہ باب لائقِ تحسین ہے۔وہ اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے کہتے ہیں:

> "مجید امجد روایت سے رابطہ استوار کرتے ہوئے اور اپنی انفرادی آگہی کو بروئے عمل لاتے ہوئے ،تخلیقی تجربے سے گزر کر، شاعرانہ اظہار کی بلند سطح کو چھوتے ہیں۔وہ اپنی شاعری میں انفرادی تخلیقی تجربے کو تاریخی شعور کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ روایت سے منسلک ہوتے ہوئے بھی اپنی ایک انفرادیت رکھتے ہیں۔ایک ایسی انفرادیت جو ایک نئی روایت کو تخلیق کرتی نظر آتی ہے۔"(۲۵)

کتاب کے آخر میں مندرجہ ذیل تین ۳ ضمیمے بھی ہیں:

ا۔ شالاط کے خطوط کی گمشدگی کا قصہ

ب۔ مجید امجد 'شبِ رفتہ' کا فلیپ

ج۔ حکیم فرید الدین فرید لکھنوی (والدِ محترم ڈاکٹر طاہر القادری) مجید امجد کی شادی کا سہرا

بحیثیت مجموعی ڈاکٹر نوازش علی نے اپنی کتاب 'مجید امجد: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ' میں مجید امجد کی نجی زندگی اور تخلیقی شخصیت کے کم و بیش تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور مجید امجد صدی کے موقع پر اس کی اشاعت بہت معنی خیز ہے۔یہ کتاب مجید امجد شناسی کی روایت کو آگے بڑھانے میں خاص کردار ادا کرے گی۔

مجید امجد کے سوویں سالِ ولادت کی مناسبت سے اشاعت پذیر ہونے والی تصنیفات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم مختلف النوع تالیفات کی طرف آتے ہیں:

مجید امجد کی نظمیں (تجزیاتی مطالعات)

زیرِ نظر کتاب کے مرتب ڈاکٹر آصف علی چٹھہ ہیں۔۲۷۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کا انتساب مرتب کے بچوں حیدر، فاطمہ اور رافع کے نام ہے۔جیسا کہ کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے، اس میں مجید امجد کی نظموں کے تجزیوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ راقم کی اس بات سے یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ نظموں کے جتنے تجزیے اس کتاب میں شامل ہوئے ہیں، محض اتنے تجزیے ہی دستیاب ہیں۔مجید امجد کی وہ نظمیں جو اس مجموعے میں شامل ہوئی ہیں ان میں سے بعض کے تجزیے کچھ اور لوگوں نے بھی کیے ہیں جو اس کتاب کی زینت نہیں بن سکے اور ان کے علاوہ بھی کئی نظمیں ایسی

ہیں جن کے تجزیے رسائل وجرائد میں مل جاتے ہیں۔بہرحال آصف علی چٹھہ کی یہ کاوش قابلِ لحاظ ہے اور مجید امجد کے سوسالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے قارئینِ ادب کے لیے ایک ارمغان کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں کل انتیس ۲۹ نظموں کے تجزیے شامل ہوئے ہیں۔سات ۷ نظمیں ایسی ہیں جن کے دو دو تجزیے شاملِ کتاب ہیں۔یوں نظموں کی تعداد تو انتیس ۲۹ ہے مگر تجزیوں کی تعداد چھتیس ۳۶ بن جاتی ہے۔جن نظموں کے دو دو تجزیے شامل کیے گئے ہیں وہ اور ان کے تجزیہ نگار مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کنواں	ڈاکٹر سیّد عامر سہیل	ڈاکٹر تنویر حسین
۲۔ امروز	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری	ڈاکٹر ضیاء الحسن
۳۔ منٹو	اسرار زیدی	سجاد شیخ
۴۔ ہڑپے کا ایک کتبہ	ناصر شہزاد	ڈاکٹر آصف علی چٹھہ
۵۔ زینیا	قیوم نظر	ریاض احمد
۶۔ توسیع شہر	عتیق اللہ	گلزار وفا
۷۔صاحب کا فروٹ فارم	ڈاکٹر انور سدید	قاسم یعقوب

اِن نظموں کے برخلاف، بقیہ تمام نظموں کے تجزیے ایک ایک شخص کے ہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی تفصیل بھی درج کر دی جائے:

۱۔طلوعِ فرض	ڈاکٹر طارق ہاشمی	۲۔پنواڑی	ڈاکٹر طارق ہاشمی
۳۔ایک کوہستانی سفر کے دوران میں	ڈاکٹر آصف علی چٹھہ	۴۔ہری بھری فصلو	فقیر احمد فیصل
۵۔آٹوگراف	ریاض احمد	۶۔پیش رو	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
۷۔رفتگاں	مشتاق احمد بیگ	۸۔ریڈنگ روم	سجاد نقوی
۹۔جیون دیس	اطہر نا سک	۱۰۔ہیولی	حامدی کاشمیری
۱۱۔بہار	خلیل الرحمان اعظمی	۱۲۔دو دلوں کے درمیاں	آفاق صدیقی
۱۳۔ریزۂ جاں	آفاق صدیقی	۱۴۔جلوسِ جہاں	ڈاکٹر ایوب ندیم
۱۵۔بےنشاں	ڈاکٹر ناصر عباس نیّر	۱۶۔ایک فلم دیکھ کر	ناصر شہزاد
۱۷۔سپاہی	آفاق صدیقی	۱۸۔حضرت زینبؓ	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
۱۹۔موانست	سجاد نقوی	۲۰۔پھولوں کی پلٹن	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
۲۱۔گداگر	ڈاکٹر سیّد عامر سہیل	۲۲۔بےقوم	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری

یہاں مرتّب کے حسنِ ترتیب کی داد دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اس انتخاب میں مجید امجد کی جن نظموں اور ان کے تجزیوں کو شامل کیا ہے، وہ زمانی ترتیب میں آئی ہیں۔ یہ ترتیب انھوں نے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مرتّب کردہ **کلیاتِ مجید امجد** سے اخذ کی ہے۔ اس اہتمام سے شاعر کے ذہنی سفر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اوپر دی گئی تفصیل سے چند باتیں مترشح ہوتی ہیں۔ بعض تجزیہ نگاروں کے ایک سے زیادہ تجزیے دکھائی دیتے ہیں۔ جن اہلِ قلم کے دو دو تجزیے شامل ہوئے ہیں ان میں ڈاکٹر سیّد عامر سہیل، ڈاکٹر طارق ہاشمی، ڈاکٹر آصف علی چٹھہ، ریاض احمد، سجاد نقوی اور ناصر شہزاد شامل ہیں۔ آفاق صدیقی کے تین ۳ نظموں کے تجزیے اور ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کے سب سے زیادہ یعنی چار ۴ نظموں کے تجزیے شامل ہوئے ہیں۔ اگر چہ ان کا ایک آدھا اور تجزیہ بھی شائع ہو چکا ہے، مثلاً ان کی کتاب **توضیحات** (مطبوعہ ۲۰۰۰ء) میں 'توسیعِ شہر' کا تجزیہ بھی موجود ہے، بہر حال ڈاکٹر آصف علی چٹھہ نے اُن کے چار ۴ تجزیے کتاب کا حصّہ بنائے ہیں۔

شاملِ کتاب تجزیوں کے حوالے سے ایک اور اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ تجزیہ نگاروں کی فہرست میں نوجوانوں سے لے کر بزرگ نقادوں تک سبھی شامل ہیں۔ مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے اِن اہلِ قلم میں شامل افراد مختلف مکاتبِ فکر سے متعلق ہیں اور ان کا تنقیدی زاویۂ نظر بھی مختلف ہے۔ اسی طرح تجزیہ نگاروں کی فہرست میں شامل افراد کسی علاقائی دائرے میں بھی مقید ہو کر نہیں رہ گئے۔ مثال کے طور پر خلیل الرحمان اعظمی بھارت سے اور حامدی کاشمیری مقبوضہ کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ سینئر افراد میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا جیسی شخصیات شامل ہیں۔ بلکہ ان کے مرحوم پیش رو اہلِ قلم کے تجزیے بھی شاملِ کتاب ہوئے ہیں جن میں قیوم نظر، ریاض احمد، ڈاکٹر انور سدید اور سجاد شیخ شامل ہیں۔ تجزیہ نگاروں کی فہرست میں مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد میں سے بعض کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے مجید امجد کو بہت محبت سے پڑھا اور سمجھنے، سمجھانے کی سعی کی ہے۔ مجید امجد شناسی میں اُن کا کردار نا قابلِ فراموش ہے۔ ان میں سرِ فہرست تو ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ہیں جنھوں نے عملی کاوشوں سے مجید امجد کو ادبی حلقوں میں متعارف کروانے کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کے ذہنوں میں بھی ان کا نقش مرتسم کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے صحتِ متن کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مجید امجد کی شاعری کو کلیات کی صورت دی۔ ڈاکٹر سیّد عامر سہیل نے مجید امجد کی حیات اور ادبی خدمات پر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ بعض افراد مثلاً اسرار زیدی، مجید امجد کے دوستوں اور بعض افراد جیسے ناصر شہزاد، مجید امجد کے شاگردوں میں آتے ہیں۔ جہاں تک مجید امجد کے مفصل تجزیاتی مطالعات کا تعلق ہے، ان کے حوالے سے ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کی خدمات بھی نظر انداز نہیں کی

جاسکتیں ۔انھوں نے تجزیوں کی مدد سے مجید امجد کی شاعری کے اہم پہلوؤں کو سمجھنے کی سعی کی ہے اور تجزیوں کو مقالوں کا رنگ دے دیا ہے ۔نسبتاً بعد کے افراد میں ڈاکٹر ناصر عباس نیّر بھی اہمیت کے حامل ہیں ۔انھوں نے تنقید کے نئے زاویوں سے مجید امجد کی تفہیم و تحسین کے لیے کام کیا ہے ۔دیگر افراد کی بھی مجید امجد شناسی کے حوالے سے اپنی اپنی حیثیت اور اپنی اپنی خدمات ہیں ۔

مجید امجد شناسی میں جہاں تحقیق و تنقید کی دوسری جہات کی اہمیت ہے وہاں نظموں کے تجزیاتی مطالعوں کو بھی اہم گردانا جاتا ہے ۔نظموں کے تجزیوں کا رواج ہمارے ہاں اس وقت شروع ہوا جب میرا جی نے ادبی دنیا کے لیے اپنے ہم عصر نظم نگاروں کی نظموں کے تجزیے کیے جو بعد میں ان کی کتاب **'اس نظم میں'** کا حصہ بنے ۔ہمارے ہاں زیادہ تر کلاسیکی اصناف ،خصوصاً غزل کی شرح کی روایت رہی ہے ۔چونکہ نظم کی تفہیم کے تقاضے جداگانہ ہیں اور نسبتاً نئی صنف ہونے کی وجہ سے اس کی طرف عمومی رجحان نہ رہا اس لیے اس کی تفہیم کے پیمانے بھی مقرر نہ ہو سکے ۔میرا جی نے جب یہ کوشش کی تو اس سے ادبی قارئین کو اندازہ ہوا کہ نظموں کی تفہیم و تحسین کن حوالوں سے کی جانی چاہیے ۔چنانچہ انھیں بہت سراہا گیا ۔اس کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا گیا اور بہت سے نظم نگاروں کی نظموں کے فکری و موضوعاتی اور فنی و اسلوبیاتی تجزیے کیے جانے لگے ۔یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے ۔مجید امجد بھی ان اہم نظم نگاروں میں آتے ہیں جن کی نظموں کی اچھی خاصی تعداد تجزیہ نگاروں کی توجہ کا مرکز بنی ۔ڈاکٹر آصف علی چٹھہ کی یہ کاوش جس نے بہت سے تجزیہ نگاروں کے تجزیے ادبی قارئین کے سامنے رکھ دیے ہیں ،مجید امجد شناسی کے سفر میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے ۔

ڈاکٹر آصف علی چٹھہ نے تجزیوں سے پیشتر ایک پیش لفظ بھی شاملِ کتاب کیا ہے جو اردو میں نظم نگاری اور نظموں کی تجزیہ نگاری کے حوالے سے ارتقائی سفر کے اجمالی جائزے پر مبنی ہے ۔اپنے کام کے حوالے سے انھوں نے لکھا ہے:

> ''جہاں تک زیرِ نظر تجزیوں کا تعلق ہے، زیادہ تر تجزیے مختلف کتب اور رسائل سے لیے گئے ہیں ۔بعض تجزیے چند علم پرور احباب نے میری درخواست پر کیے ہیں ۔کئی تجزیے نہایت معیاری ہیں ۔چند تجزیے مفصل ہیں اور کچھ مختصر ۔بعض نظموں کے متعدد تجزیے دستیاب ہوئے ہیں لیکن ایک نظم کے زیادہ سے زیادہ صرف دو تجزیے شامل کیے گئے ہیں اور اس کا مقصد بھی صرف یہی ہے کہ قاری کو ایک ہی متن کے بارے میں متنوع نقطہ ہائے نظر کو دیکھنے کا موقع مل سکے ۔تجزیہ شدہ نظمیں ۱۹۴۰ سے ۱۹۷۰ء تک کے دوران میں لکھی گئی تھیں ۔نظمیں زمانی ترتیب سے ہیں تا کہ شاعر کا فکری اور فنی ارتقا بھی پیشِ نظر رہے ۔''(۳۶)

یہاں ڈاکٹر آصف علی چٹھہ کو اس امر کی داد بھی ملنی چاہیے کہ انھوں نے محض دوسروں کے کیے ہوئے تجزیے ہی اکٹھے نہیں کیے بلکہ خود بھی دو نظموں کے تجزیے تحریر کیے ہیں۔اول'ایک کوہستانی سفر کے دوران میں' اور دوم 'ہڑپے کا ایک کتبہ'۔بطور مرتّب انھوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جن تجزیہ نگاروں نے اپنے تجزیوں میں حوالہ جات وحواشی کا اندراج کیا تھا انھیں خارج نہیں کیا۔اس سے تحقیقی تقاضے پورے کرنے میں مدد ملی ہے۔البتہ مرتّب کو اپنے مآخذ ومنابع کی نشان دہی بھی کر دینی چاہیے تھی تا کہ قاری اُن مصادر تک بھی رسائی حاصل کر سکتا جن سے مرتّب کو نظموں کے تجزیے دستیاب ہوئے ہیں توقّع ہے کہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں اس کا اہتمام بھی کر دیا جائے گا۔آصف علی چٹھہ نے صحتِ متن کا خاص خیال رکھا ہے اور پروف خوانی محنت سے کی ہے۔راقم نے مجید امجد کے حوالے سے چھپنے والے بعض رسائل مثلاً **القلم**۔جھنگ کے مجید امجد نمبر میں کمپوزنگ کی بے تحاشا اغلاط دیکھی ہیں۔اس رسالے میں زیرِ نظر کتاب میں شامل ہونے والے بعض تجزیے شائع ہو چکے ہیں۔تاہم وہاں وہ اغلاط سے پُر ہیں اور یہاں بہت حد تک پاک ہیں۔اس کا کریڈٹ مرتّب کو دیا جانا چاہیے۔

جیسا کہ اشارہ کیا گیا، یہ تجزیے مختلف النوع تجزیہ نگاروں کی کوششوں کا ثمر ہیں۔ہر تجزیہ نگار کا نقطۂ نظر مختلف ہوتا ہے اور فن کی تفہیم وتحسین کے لیے اختیار کیے گئے پیمانے بھی مختلف ہوتے ہیں اور صلاحیتوں کا درجہ بھی یکساں نہیں ہوتا۔چنانچہ ہمیں ایسے کم تجزیے ملتے ہیں جن میں فکری اور فنی تمام عناصر کا احاطہ کیا گیا ہو۔اس ضمن میں ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کے تجزیے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں کہ ان میں نظموں کے موضوعات، شاعر کے افکار، اُن کے مخصوص پس منظر، مختلف نظم پاروں میں پائے جانے والے مماثل پہلو اور خالص فنی عناصر، جیسے اوزان وبحور، بیان وبدیع، تمثال کاری اور لسانی خصائص وغیرہ سب کا جائزہ لیا گیا ہے۔اکثر تجزیہ نگاروں نے فنی واسلوبیاتی پہلوؤں کو نظر انداز کیا ہے اور محض موضوع کی توضیح پر انحصار کیا ہے۔بعض تجزیہ نگاروں نے موضوع کی توضیح کے لیے بھی جو طریق کار اختیار کیا ہے، اُس سے اتفاق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ شعری پس منظر اس کی تائید نہیں کرتا۔مثال کے طور پر گلزار وفا نے 'توسیعِ شہر' کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''میرے نزدیک سارے ہرے بھرے اشجار کا صرف بیس ہزار روپوں میں بک جانے سے مراد پوری نوجوان نسل کی صریح بے قدری ہے۔قاتل تیشے وہ منفی روایتیں، نظریے، علوم اور رویّے ہیں جو نوجوان نسل کی توانائی اور صلاحیتوں کو زندگی سے محروم کر دینے کا باعث ہیں۔ہمارا ماحول نوجوان نسل کو توانائی سے محروم ہی نہیں کرتا بلکہ رفتہ رفتہ اُس کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو ایک ایک کر کے ناکارہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام برگ وبار کو خاک میں ملا دیتا

ہے۔ظاہر ہے کہ جس نسل کی اجتماعی ہیئت سے زندگی کی ایک ایک رمق نُچڑ جائے اُس کی
افرادی قوت کولاشوں کے انبار کے سوا کون سا نام دیا جاسکتا ہے۔" (۲۷)

گلزار وفا کا یہ جذباتی بیان اپنے اندر ایک اپیل ضرور رکھتا ہے لیکن نظم کے مندرجات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

اِس کتاب میں جن نظموں کے دو دو تجزیے شامل ہوئے ہیں، ان میں مجید امجد کے تصورِ وقت کو ظاہر کرنے والی ایک خوبصورت نظم 'امروز' بھی شامل ہے۔اس کا ایک تجزیہ ڈاکٹر ضیاء الحسن نے کیا ہے جو نسبتاً مختصر ہے اوراس میں مجید امجد کے تصورِ وقت کو سمجھنے کے لیے معاون حوالے استعمال نہیں کیے گئے۔اسی طرح فن سے متعلق پہلوؤں کو بھی مفصل انداز میں بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔اس کے برعکس ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کا تجزیہ بہت مفصل ہے اوراس میں مجید امجد کے تصورِ وقت کو سمجھنے کے لیے ان کی مختلف غزلوں کے اشعار اور نظموں کے اقتباس درج کرنے کے علاوہ دیگر ذرائع مثلاً ایک حدیثِ قدسی اور اقبال کی نظم 'مسجد قرطبہ' کے مختلف اشعار سے استفادہ کیا گیا ہے۔اسی طرح اس میں مختلف نقادوں مثلاً ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر وزیر آغا، مظفر علی سیّد اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مختصر اقتباس درج کر کے تفہیم کے امکانی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔مزید یہ کہ نظم کے بندوں کی تقسیم اور بحر کے استعمال کے موضوع کے ساتھ تعلق کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نظم فکر و فن کا کس قدر حسین امتزاج ہے۔چند جملے دیکھیے:

"... 'امروز' کا آہنگ وقت کی دولابی گردش کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔اس نظم کو پڑھتے ہوئے ایک دائرہ سا بنتا چلا جاتا ہے۔ایک ایسا گھومتا ہوا دائرہ جس کی گردش نقطہ آغاز اور اختتام سے بے نیاز ہو... معنوی ربط کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے شاعر نے ابتدائی چار کوارٹرین کو دو دو لے وار دیا اور پانچویں کوارٹرین اور ٹرپ لٹ کو ایک رائم رائل کی شکل دے دی ہے اور شاید ماضی، حال اور مستقبل کی مناسبت سے تین اسٹینزے بنا دیے ہیں..." (۲۸)

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر کا شمار عصر حاضر کے اُن نقادوں میں ہوتا ہے جنھوں نے تنقید کے نئے پیمانوں سے استفادہ کیا ہے۔نظم 'بے نشاں' کا تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے نحویاتی اور استعاراتی پہلوؤں کو سامنے رکھا ہے اور استعاراتی پہلوؤں کو نحویاتی منطق پر غالب دکھایا ہے۔ایک اقتباس دیکھیے:

"... موت ایک اور طرح کی زندگی کا دروازہ کھولتی محسوس ہوتی ہے۔نظم کے اس مفہوم اور صوفیانہ تصورِ مرگ میں گہری مماثلت محسوس ہوتی ہے مگر اس تک رسائی کسی صوفیانہ تجربے کی

> مرہون نہیں ۔ بلکہ ایک شعری واردات کی رہین ہے جس کی اساس استعاراتی عمل ہے۔ شاعر نے اس استعاراتی عمل ہی سے اس نحوی تضاد کا خاتمہ کیا ہے جو زندگی اور موت میں دو متضاد نحوی جوڑے ہونے کی وجہ سے موجود ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نحوی جوڑوں کا تضاد زبان کی نحوی منطق میں وجود رکھتا ہے۔ اس طور دیکھیں تو نظم کا استعاراتی متن ایک بہاؤ، ایک معنیاتی حرکت کو پیش کرتا ہے۔ یہ بہاؤ متن کے قرأتی حربوں کے ذریعے منکشف ہوتا اور اس بہاؤ میں جو معنیاتی سلسلے نمود کرتے ہیں وہ اس تناظر کے مرہونِ منت ہیں جس میں قرأت کا عمل انجام دیا جا رہا ہے۔ تناظر کی تبدیلی سے نظم کے معانی بدل جائیں گے۔"(۲۹)

بحیثیت مجموعی ڈاکٹر آصف علی چٹھہ کی مرتب کردہ زیرِ نظر کتاب ایک تو مجید امجد شناسی کے حوالے سے اہمیت رکھتی ہے اور دوسرے جدید نظم کی تفہیم و تحسین کے در وا کرتی ہے۔ اس میں شامل تجزیوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نظموں کو سمجھنے اور عام قاری کو سمجھانے کے کیا پیرائے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ مختلف پیرایوں سے معانی کی مختلف سطحیں سامنے آتی ہیں جن سے شاعری کی مختلف پرتوں اور مختلف درجوں کو جاننے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

صورتِ معنی، معنی صورت

۲۳۲ صفحات پر مشتمل جنید امجد کی ترتیب دی ہوئی یہ کتاب مثال پبلشرز فیصل آباد سے ۲۰۱۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اس کتاب کا انتساب مرتب نے اپنے والدِ گرامی سکندر حیات اور والدۂ محترمہ رضیہ کلثوم اور ان کے علاوہ ایک بزرگ خاتون بی اماں ممتاز بی بی کے نام کیا ہے۔ کتاب کا فلیپ پروفیسر غلام شبیر اسد، شعبۂ اردو وادبیات گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، جھنگ نے تحریر کیا ہے، جو کتاب کے تعارف پر مبنی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

> ''گذشتہ سات دہائیوں میں نظمِ مجید امجد کی ہیئت، تکنیک اور معنویت کے حوالے سے مختلف مکتبہ ہائے فکر کے ناقدین نے جو تفہیم کی، وہ مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتی رہی ہے۔ جنید امجد نے بڑی محنت سے اس سارے کام کو تین وار 'صورتِ معنی، معنی صورت' میں یکجا کر کے قارئینِ مجید امجد کے لیے آسانیاں بہم کی ہیں۔ موصوف نے مجید امجد کی سوانح کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے ایک مفصل مضمون بھی تحریر کیا ہے جو قابلِ توجہ ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب مجید امجد کے سوویں سالِ ولادت کے موقع پر گراں بہا تحفہ سے کم نہیں۔''(۳۰)

کتاب کے مشمولات میں عرضِ مرتّب کے عنوان سے لکھی گئی سرسری سی تعارفی تحریر کے بعد دو حصے شامل ہیں ۔حصہ اوّل 'مجید امجد کے سوانحی حقائق' مرتّب کا تحریر کردہ ہے ۔اس میں مختلف حوالہ جات وحواشی کی مدد سے مجید امجد کی زندگی کے حقائق بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے ۔اصل میں مجید امجد کی زندگی کے احوال پوری طرح سامنے نہیں آئے اور بہت سی باتیں پردۂ اخفا میں رہی ہیں یا ان کے گرد ایک دھند سی چھائی رہی ہے۔ جنید امجد نے اس دھند کو ہٹانے کی کوشش کی ہے تاہم اس کوشش کو بہت مفصل تحقیقی کاوش کے زُمرے میں نہیں رکھا جا سکتا۔بہر حال یہ ایک لائق ستائش کوشش ضرور گردانی جا سکتی ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ 'تجزیاتِ نظم' ہے۔اس میں مجید امجد کی انیس ۱۹ نظموں کے تجزیے شامل ہیں۔ لیکن تجزیوں کی تعداد انیس ۱۹ سے زیادہ ہے ۔وہ اس لیے کہ بعض نظموں کے دو دو تجزیے شامل کیے گئے ہیں ۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امروز	ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری	ڈاکٹر ضیاءالحسن
۲۔ منٹو	اسرار زیدی	سجاد شیخ
۳۔ توسیعِ شہر	گلزار وفا	عتیق اللہ
۴۔ صاحب کا فروٹ فارم	ڈاکٹر انور سدید	قاسم یعقوب

یوں انیس ۱۹ نظموں کے شاملِ کتاب تجزیوں کی تعداد تیئیس ۲۳ ہو جاتی ہے۔

جن نظموں کا ایک ایک تجزیہ شاملِ کتاب ہوا ہے ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔کنواں	ڈاکٹر تنویر حسین	۲۔ریڈنگ روم	سجاد نقوی
۳۔ایک کوہستانی سفر کے دوران میں	جنید امجد	۴۔آٹوگراف	ریاض احمد
۵۔جیون دیس	اطہر ناسک	۶۔زینیا	ڈاکٹر وزیر آغا
۷۔ہڑپے کا ایک کتبہ	آصف علی چٹھہ	۸۔ہیولیٰ	حامدی کاشمیری
۹۔بہار	خلیل الرحمٰن اعظمی	۱۰۔دوام	ڈاکٹر انور سدید
۱۱۔بے نشاں	ڈاکٹر ناصر عباس نیّر	۱۲۔حضرت زینبؓ	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
۱۳۔موانست	سجاد نقوی	۱۴۔پھولوں کی پلٹن	ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری
۱۵۔گداگر	ڈاکٹر سیّد عامر سہیل		

تجزیوں کی اس فہرست میں ایک تجزیہ کتاب کے مرتّب کا بھی شامل ہے ۔یہ نظم 'ایک کوہستانی سفر کے دوران میں' ہے ۔یہ بہت مختصر سا تجزیہ ہے اور فکر و فن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتا ۔کتاب میں شامل تمام تجزیے

نظموں کی زمانی ترتیب کے مطابق درج کیے گئے ہیں۔ان تجزیوں میں کوئی تجزیہ بھی ایسا نہیں ہے جو نیا ہو۔ تمام کے تمام تجزیے پہلے سے چھپے ہوئے ہیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر آصف علی چٹھہ کی کتاب **'مجید امجد کی نظمیں(تجزیاتی مطالعات)'** اور رسالہ **'القلم۔جھنگ'** کا مجید امجد نمبر بطور خاص دیکھا جا سکتا ہے۔جہاں تک ان نظموں کے تجزیات کے تحلیل و تجزیہ کا تعلق ہے،اس کے حوالے سے یہاں کچھ لکھنا تکرار کا باعث ہوگا کیونکہ اس ضمن میں آصف علی چٹھہ کی مذکورہ بالا کتاب کا جائزہ لیتے ہوئے تجزیاتی نکات تحریر کیے جا چکے ہیں۔

مجید امجد۔ نئے تناظر میں

اس کتاب کا ذیلی عنوان 'مجید امجد صدی:منتخب مقالات' ہے۔اسے احتشام علی نے ترتیب دے کر ۲۰۱۴ء میں بیکن بکس ملتان۔لاہور سے شائع کروایا۔یہ ۵۲۸ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔اس کتاب کا انتساب 'مجید امجد کی شالاط کے نام' کیا گیا ہے۔ساتھ ہی مجید امجد کا یہ شعر مندرج ہے:

غبارِ رنگ میں رس ڈھونڈتی کرن ، تری دُھن
حصارِ سنگ میں بَل کھاتی آبِ جُو ، ترا غم

'ابتدائیہ' میں مرتّب نے کتاب کی ترتیب کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اور کتاب کے تعارف میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا ملخّص درج ذیل جملوں میں آ گیا ہے:

> ''مجید امجد کا شمار ان معدودے چند شعرا میں ہوتا ہے جن کی شاعری اس 'لا زمانی معاصریت' کی حامل ہے،جس کے معنی وقت گزرنے کے ساتھ کھلتے چلے جاتے ہیں۔ایسی شاعری کا متن اپنی کثیر الجہات خصوصیات کی بدولت ہر نئی تعبیر کے ساتھ ایک نئے سیاق میں منکشف ہوتا ہے۔مجید امجد کو اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ایسے نئے تناظرات کی از حد ضرورت ہے جو ان کی نظموں کے متن کی بازیافت نئے پیرایوں میں کر سکیں۔یہ کتاب اسی احساس کے تحت مرتب کی گئی ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ ایسے مضامین شامل کیے جائیں،جن میں امجد کی شاعری کو کسی نئے،بکر ان کی شاعری کے لیے ناگزیر تناظر میں سمجھا گیا ہو۔اردو کے ممتاز ناقدین نے امجد کی نظم کی تفہیم و تعبیر کی ہے،ان ناقدین کے اہم مضامین کتاب میں جمع کیے گئے ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ مجید امجد کی نظم کی تحسین کا دائرہ یورپ اور ایشیا کی دیگر زبانوں تک وسیع ہوا ہے۔ان زبانوں میں امجد کی نظم کے ہونے والے تراجم بھی شاملِ کتاب ہیں۔''(۳۱)

زیرِ نظر کتاب موضوعاتی اعتبار سے ۱۔سوانح،۲۔مجید امجد کی نظم،۳۔مجید امجد کی غزل ۔۴،مجید امجد کی نظموں کے تجزیے،۵۔مجید امجد کی نظموں کے دوسری زبانوں میں تراجم ۔یعنی کُل پانچ ۵ حصّوں میں تقسیم کی گئی ہے۔سوانحی حصّے میں خود مرتّب نے 'کوائفِ مجید امجد' ترتیب دینے کے بعد مجید امجد کے دوست صفدر سلیم سیال کی تحریر 'قدح قدح تری یادیں' اور معروف مجید امجد شناس ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا ترتیب دیا ہوا 'مجید امجد سے ایک مکالمہ' شامل کیا ہے۔ان تینوں تحریروں سے مجید امجد کے سوانح اور شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔

'مجید امجد کی نظم' کے زیرِ عنوان قائم کیا گیا دوسرا حصّہ کتاب کا سب سے طویل حصّہ ہے۔یہ ذیلی طور پر چھے ۶ زُمروں میں بٹا ہوا ہے۔پہلے اور دوسرے زُمرے میں تین تین،تیسرے زُمرے میں دو،چوتھے اور پانچویں زُمرے میں چار چار اور چھٹے زُمرے میں تین مقالات شامل ہیں۔یوں کل ملا کر انیس ۱۹ مقالات ایسے ہیں جو مجید امجد کی نظم نگاری کے حوالے سے یکجا کیے گئے ہیں۔یہ تمام مضامین اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں اور مجید امجد کی نظم کے اہم فکری و فنی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔کم و بیش تمام مضامین پہلے سے شائع شدہ ہیں،البتہ مرتّب کی کاوش کو سراہا جانا چاہیے کہ انھوں نے انتخاب بہت اچھا کیا ہے کیونکہ اس انتخاب سے مجید امجد کی شاعری کی بہت سی جہات روشن ہو کر سامنے آجاتی ہیں۔ان مضامین کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔	مجید امجد:ایک دلِ دردمند	ڈاکٹر وزیر آغا
۲۔	مجید امجد اور آزاد نظم	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
۳۔	مجید امجد کی نظم نگاری	ڈاکٹر سہیل احمد خان
۴۔	مجید امجد کی شاعری میں شجر	ڈاکٹر وزیر آغا
۵۔	مجید امجد ایک الگ دنیا کا باسی	ڈاکٹر انور سدید
۶۔	مجید امجد کی نظموں میں شعری عمل	پروفیسر حامدی کاشمیری
۷۔	مجید امجد کا تصوّرِ کائنات	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
۸۔	'فسانۂ آدم':ایک نادر قلمی دستاویز	ڈاکٹر سیّد عامر سہیل
۹۔	مجید امجد ایک مطالعہ	بلراج کومل
۱۰۔	مجید امجد کی شاعری:ایک جائزہ	آفتاب اقبال شمیم
۱۱۔	مجید امجد ایک کثیر الجہات شاعر	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
۱۲۔	مجید امجد کی شعری ہیئتیں (عہدوار مطالعہ)	یوسف حسن

۱۳۔ موت کی دستک	ڈاکٹر وزیر آغا
۱۴۔ مجید امجد۔ آشوبِ زیست اور مقامِ وجود کا تجربہ	ڈاکٹر تبسّم کاشمیری
۱۵۔ مجید امجد کی نظموں میں اجل	ڈاکٹر ناصر عباس نیّر
۱۶۔ احساسِ بیگانگی اور مغائرت: مجید امجد کی نظموں کے تناظر میں	ڈاکٹر افتخار بیگ
۱۷۔ مجید امجد: دورِ آخر کے کلام کا فکری جائزہ (نظم: ''دنوں کے اس آشوب'' کے تناظر میں)	ڈاکٹر سیّد عامر سہیل
۱۸۔ مجید امجد کی آخری دور کی نظمیں	ڈاکٹر ناصر عباس نیّر
۱۹۔ مجید امجد کی آخری دور کی نظموں میں عصری حسّیت	احتشام علی

اس حصے میں زیادہ تر سینئر نقادوں کے مقالات شامل ہیں۔ ان میں غالب اکثریت تو پاکستانی نقادوں کی ہے، تاہم ایک آدھ نقاد کا تعلق مقبوضہ کشمیر (حامدی کاشمیری) اور ایک آدھ نقاد کا تعلق بھارت (بلراج کومل) سے ہے۔ جیسا کہ عنوانات ہی سے ظاہر ہے، ان مضامین میں مجید امجد کی شاعری کے موضوعات، ہیئتوں، اسالیب اور عہد بہ عہد فکر و فن میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہمارے بعض نقاد ایسے ہیں جنھوں نے اپنی صلاحیتوں کو مجید امجد کے لیے بطورِ خاص وقف کر رکھا ہے۔ ان میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا سرِ فہرست ہیں۔ مذکورہ مضامین میں ان کے دو ۲ مضامین شامل ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر وزیر آغا نے بھی مجید امجد پر بہت لکھا ہے۔ اس حصے میں ان کے تین ۳ مضامین شامل ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عامر سہیل نے مجید امجد پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ قلم بند کیا ہے۔ ان کی دو ۲ تحریریں شامل ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر بھی مجید امجد پر لکھنے والوں میں ایک اہم نام ہیں۔ اُن کے بھی دو ۲ مضامین اس حصے میں شامل ہوئے ہیں۔ یہاں اس امر کا اظہار کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مرتّب احتشام علی کا ایک مضمون بھی اس حصے میں شامل ہوا ہے۔ وہ مضمون مجید امجد کی دورِ آخر کی نظموں کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور ان نظموں میں مجید امجد کی عصری حسّیت کا کھوج لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ عصری حسّیت محض مجید امجد کے عہد تک محدود نہیں بلکہ اس کی اپیل آفاقی اور لازمانی ہے۔

اگرچہ مجید امجد بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں، تاہم انھوں نے ایک معقول تعداد میں بہت عمدہ غزلیں بھی لکھی ہیں۔ ہم گذشتہ صفحات میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ ان کے عہد میں نظم اور غزل دونوں اصناف میں یکساں طور پر عمدہ تخلیقی اظہار کرنے والے شاعروں میں یا ان کا نام آتا ہے یا فیض احمد فیض کا۔ زیرِ نظر کتاب کا تیسرا حصہ 'مجید امجد کی غزل' سے متعلق ہے۔

اس حصے میں بہ تفصیلِ ذیل تین مضمون شامل ہیں:

۱۔	مجید امجد کی غزل	ڈاکٹر انور سدید
۲۔	مجید امجد کی غزل گوئی	ڈاکٹر ناصر عباس نیّر
۳۔	مجید امجد کی غزل: ایک نوٹ	شناور اسحاق

یہ تینوں مضمون مجید امجد کی غزل کے موضوعاتی وفکری اور فنی واسلوبیاتی پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ شناور اسحاق خود بھی عصرِ حاضر کے ایک ابھرتے ہوئے غزل گو ہیں۔ انھوں نے مجید امجد کو غزل کے حوالے سے نظر انداز کیے جانے کا نوٹس لیا ہے اور ان کی غزل کے نمایاں تخلیقی عناصر کی قدر روانی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

> ''مجید امجد کی تازہ کاری اور ہنرمندی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے غزل جیسی کافر صنفِ سخن میں ایسے لفظیات اور موضوعات کو کھپایا ہے جن سے یہ صنفِ سخن صدیوں سے بے خبر چلی آ رہی تھی۔ انھوں نے غزل میں امکانات کے ایسے مطلعے نشان زد کیے ہیں جن پر ان کے بعض ہم عصروں نے اپنی تخلیق کاری کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ ایسے خوشہ چین ڈکشن کی حد تک تو اپنے ہم عصروں سے قدرے مختلف نظر آتے ہیں، لیکن معیار کے اعتبار سے ان کا کلام اُس گہرائی سے محروم رہ جاتا ہے جو مجید امجد کا خاصہ ہے اور اُس گہرائی کے حصول کے لیے بقول مجید امجد اپنی روح کے منجدھار میں اترنا پڑتا ہے۔'' (۳۲)

ڈاکٹر انور سدید اور ڈاکٹر ناصر عباس نیّر کے مضامین خاص طور سے اہمیت رکھتے ہیں کہ اُن کے حوالے سے مجید امجد کی غزل کا نقش زیادہ وضاحت اور گہرائی کے ساتھ متشکل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''مجید امجد اردو غزل کی بدلتی ہوئی روایت کا ایک اہم زاویہ ہے۔ اُس نے غزل کے فنی اور فکری امکانات کا دائرہ وسیع کیا اور اس کی نشاۃِ ثانیہ کو قریب لانے میں معاونت کی۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ ناصر کاظمی کی طرح مجید امجد بھی غزل میں میر کی قلندری، بے نیازی اور درویشی کو رائج کرنے والا ہے، تاہم اس کی ایک یہ بات اسے معاصر شعرا سے ممتاز کرتی ہے کہ اُس نے نظم کے جدید مزاج کو غزل میں رائج کرنے کی سعی کی اور اس کوشش میں خارج کی زندگی کے ان تمام عناصر سے فائدہ اٹھایا جو نظم میں اُس کے منفرد تجربے کا جوہر بن چکے تھے۔'' (۳۳)

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر کا مضمون جدید طرزِ تنقید کا نمونہ ہے اور یہ بھی مجید امجد کی غزل کے امتیازات کو نمایاں کرتا ہے۔

اس کتاب کا چوتھا حصہ مجید امجد کی پندرہ ۱۵ نظموں کے تجزیوں پر مشتمل ہے۔ یہ تجزیے مختلف مقامات پر شائع ہو چکے ہیں اور ان کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں نظموں اور تجزیہ نگاروں کے ناموں کے اندراج پر ہی اکتفا کیا جائے گا:

۱۔صاحب کا فروٹ فارم	ڈاکٹر انور سدید	۲۔حضرت زینبؓ	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
۳۔بہار	خلیل الرحمٰن اعظمی	۴۔ریڈنگ روم	سجاد نقوی
۵۔آٹوگراف	ریاض احمد	۶۔ہیولیٰ	حامدی کاشمیری
۷۔توسیعِ شہر	گلزار وفا	۸۔پھولوں کی پلٹن	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
۹۔گداگر	ڈاکٹر سیّد عامر سہیل	۱۰۔امروز	ڈاکٹر ضیاء الحسن
۱۱۔بے نشاں	ڈاکٹر ناصر عباس نیّر	۱۲۔توسیعِ شہر	عتیق اللہ
۱۳۔جیون دیس	اطہر ناسک	۱۴۔صاحب کا فروٹ فارم	قاسم یعقوب
۱۵۔ہڑپے کا ایک کتبہ	ڈاکٹر آصف علی چٹھہ		

ترجمہ دو زبانوں کے باہمی لین دین کا وسیلہ ہی نہیں بنتا بلکہ یہ تہذیبوں اور ان کے مظاہر کے درمیان مکالمے کا بھی نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک طرف تو یہ ماخذ زبان (Source Language) کے پھیلاؤ کا ذریعہ بنتا ہے تو دوسری طرف اس سے ہدف زبان (Target Language) بھی باثروت ہوتی ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں میں ہمیشہ سے ترجمے کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ اُردو میں بھی ترجمے کی ایک بھرپور روایت موجود ہے۔ ایک طرف تو مختلف زبانوں کے منتخب ادب کو اردو میں منتقل کرنے کی روایت ہے جو خاصی وسعت کی حامل ہے اور دوسری طرف اردو کے ادب پاروں کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کا سلسلہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہ سلسلہ زیادہ تر بیسویں صدی کے دوسرے نصف اور رواں صدی میں فروغ پذیر ہوا۔ اقبال کے بعد جن شاعروں کے دوسری زبانوں میں کثیر تعداد میں تراجم ہوئے ان میں راشد اور مجید امجد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مجید امجد کی مختلف نظموں کے انگریزی، فارسی، اطالوی اور نارویجن زبان میں ترجمے ہوئے ہیں۔ زیرِ مطالعہ کتاب میں منتخب تراجم کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ تراجم کتاب کے پانچویں اور آخری حصے میں شامل کیے گئے ہیں۔ یہ حصہ چار ۴ زمروں میں بٹا ہوا ہے۔ پہلے زمرے میں پندرہ ۱۵ نظموں کے انگریزی ترجمے شامل ہیں۔ آٹھ ۸ ترجمے دو دو اشخاص کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ ہیں، جبکہ سات ۷ ترجمے ایک ایک مترجم نے کیے ہیں۔ ان کی تفصیل یوں ہے کہ محمد سلیم الرحمٰن اور فاروق حسن نے ایک ایک نظم 'لمبی دھوپ کے ڈھلنے پر۔۔۔' اور 'ریڈیو پر اک قیدی' بالترتیب انفرادی طور پر اور مندرجہ ذیل آٹھ ۸ نظمیں

باشتراک ترجمہ کی ہیں:

۱۔ہڑپے کا ایک کتبہ ۲۔بھکارن ۳۔پکار ۴۔فرد

۵۔کیسے دن ہیں--- ۶۔ننھے بچو! ۷۔پہاڑوں کے بیٹے ۸۔بہار

مہر افشاں فاروقی نے مندرجہ ذیل پانچ ۵نظموں کو انگریزی میں منتقل کیا ہے:

۱۔کب کے مٹی--- ۲۔مسلخ ۳۔زندگی اے زندگی

۴۔کچھ دن پہلے--- ۵۔پھولوں کی پلٹن

آٹھ ۸نظمیں ایسی ہیں جن کے ترجمے فارسی زبان میں ہوئے ہیں۔یہ سب کے سب ترجمے **ڈاکٹر زیادکاوسی نژاد** نے کیے ہیں۔ان کی تفصیل یوں ہے:

۱۔پھولوں کی پلٹن ۲۔اپنی آنکھ پہ--- ۳۔پھر جب دوستیوں--- ۴۔ایکسیڈنٹ

۵۔مورتی ۶۔اور پھر اک دن--- ۷۔فرد ۸۔پہلی سے پہلے---

ماسیمو بون نے مجید امجد کی پانچ ۵نظموں کا اطالوی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ہوسکتا ہے کہ یہ ترجمے براہِ راست اردو سے نہ ہوئے ہوں، بلکہ بواسطہ انگریزی کیے گئے ہوں۔بہر حال مجید امجد کی مندرجہ ذیل پانچ ۵نظمیں اطالوی زبان میں منتقل ہوئی ہیں:

۱۔ جنگی قیدی کے نام ۲۔اپنے آپ کو---

۳۔ چیونٹیوں کے ان قافلوں--- ۴۔پہلی سے پہلے---

۵۔ مورتی---

علاوہ ازیں ایک نظم 'لاہور میں' نارویجن زبان میں ترجمہ ہوئی ہے جس کے مترجم **ادریس بابر** ہیں۔ان تمام تراجم سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجید امجد کی شاعری کی خوشبو دنیا کے مختلف خطوں تک پہنچ چکی ہے اور اُن کی تخلیقی شخصیت کو تسلیم کرنے کا سلسلہ پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

بحیثیت مجموعی زیرِ مطالعہ کتاب مجید امجد شناسی کے حوالے سے ایک اہم کاوش ہے۔یہ کتاب اپنے موضوعاتی پھیلاؤ اور حُسنِ انتخاب کے حوالے سے مجید امجد صدی کا اچھا تحفہ ہے۔

مجیدامجد (ایک سو ایک نظمیں مع انگریزی تراجم)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ منفرد کتاب مجید امجد کی ایک سو ایک نظموں کے انتخاب اور اُن کے انگریزی تراجم پر مشتمل ہے۔انتخاب و ترجمہ پروفیسر سجاد شیخ کا مرہونِ منت ہے۔یہ کتاب الحمد پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۱۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔اس کا انتساب 'مجید امجد کے نام بہ مناسبت صد سالہ سالگرہ (۱۹۱۴ء-۲۰۱۴ء)' ہے۔

پیش لفظ پروفیسر سجاد شیخ کے ایک نامور شاگرد شاہد ملک سابق بیورو چیف بی بی سی، لاہور کا تحریر کردہ ہے۔اس کے بعد مجید امجد کی ایک سو ایک ۱۰۱ نظمیں اور ان کے انگریزی تراجم مندرج ہیں جو صفحہ ۱۲ سے صفحہ ۳۲۰ تک پھیلے ہوئے ہیں۔نظموں کی ترتیب کلیات میں اختیار کردہ ترتیب کے مطابق ہے۔یعنی ان نظموں اور ان کے ترجموں سے مجید امجد کے تخلیقی سفر کا ارتقا بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ جس قدر اہم فن ہے اُسی قدر مشکل بھی ہے۔خاص طور سے ادبی تراجم اور ان میں بھی شعری تراجم کا معاملہ نازک تر ہے۔اس کے لیے کم سے کم شرط یہ ہے کہ مترجم ماخذ زبان (Source Language) اور ہدف زبان (Target Language) دونوں پر کامل عبور رکھتا ہو۔شعری تراجم کے لیے تو شاعری کے علائم و رموز سے آگاہی بھی ضروری ہے۔اور پھر اگر شاعر منفرد اور غیر روایتی ہو تو اس کی تفہیم و تحسین کا معاملہ اور بھی زیادہ گھمبیر ہو جاتا ہے۔مجید امجد اس اعتبار سے مشکل شاعر ہے کہ اُسے تفہیم کے روایتی پیمانوں کے مطابق پرکھنا ممکن نہیں۔اُس کے کچھ اپنے ہی تقاضے ہیں جو دوسروں سے مختلف ریاضت کا تقاضا کرتے ہیں۔ جب ہم ان حوالوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں تو اِس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ پروفیسر سجاد شیخ اردو اور انگریزی دونوں کے ماہر تھے۔اُنھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے آنرز اور ایم۔اے انگریزی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد لیڈز یونیورسٹی برطانیہ سے بی۔اے آنرز کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا تھا۔اور پھر انگریزی زبان و ادب کی تعلیم و تدریس کے ساتھ مستقل وابستگی نے بھی سونے پر سہاگے کا کام کیا۔اردو زبان تو اُن کا ذریعۂ اظہار تھی ہی۔اُن کا خاص وصف یہ بھی ہے کہ وہ مختلف شعرا کی نظموں کے انگریزی تراجم اس سے پیشتر بھی کر چکے تھے۔وہ جدید شاعری کے رموز و علائم اور پُراسرار تخلیقی رجحانات کو سمجھتے تھے۔اِس کا ثبوت اُن کے وہ تراجم ہیں جو انھوں نے فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، یوسف ظفر اور آفتاب اقبال شمیم کی نظموں کے کر رکھے ہیں۔مجید امجد سے بھی اُن کی خاص ذہنی اور ذوقی مناسبت تھی جس کے باعث انھوں نے مجید امجد کی ایک سو ایک ۱۰۱ نظمیں منتخب کیں اور انھیں انگریزی میں منتقل کیا۔

جیسا کہ اشارہ کیا گیا، شعری ترجمہ نثری ترجمے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔اگر نظموں کے تراجم کے لیے منظوم کی شرط بھی عائد کر لی جائے تو دقتیں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔پروفیسر سجاد شیخ نے اِس راز کو جانتے ہوئے ایسا کرنے سے گریز کیا ہے اور منظوم کے بجائے منثور ترجمے کیے ہیں۔اگرچہ ہر جگہ اِس کا التزام کرنا ممکن نہ تھا مگر انھوں نے زیادہ تر ترجمے سطر بہ سطر (Line to Line) کیے ہیں اور کوشش کی ہے کہ شاعر کے بیان کردہ مفہوم تک رسائی حاصل کر کے اُسے انگریزی زبان میں زیادہ سے زیادہ صحت کے ساتھ منتقل کر دیا جائے۔یہاں ہم چند نظموں کے عنوانات اور اُن کے ترجموں کی فہرست درج کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ

سجاد شیخ اور مجید امجد کہاں تک ایک دوسرے کے قریب ہیں:

- یہی دنیا ـــ؟	IS THIS THE WORLD?
- پژمردہ پتیاں	WITHERED PETALS
- کلبہ و ایواں	HUT AND PALACE
- دھوپ چھاؤں	SUNSHINE AND SHADE
- بھکارن	FEMALE BEGGAR
- توسیع شہر	EXPANSION OF THE CITY
- یہ سرسبز پیڑوں کے سائے	SHADOWS OF GREEN TREES
- دکھ کی جھپٹ میں ـــ	CAPTURED BY LEAPING SORROWS
- ڈھلتے اندھیروں میں ـــ	IN THE DECLINING DARKS
- دل کا چھالا	BLISTER IN THE HEART

اردو اور انگریزی کے عنوانات کو ایک دوسرے کے مقابل رکھنے سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ مترجم نے شاعر کے اختیار کردہ عنوان کو پوری طرح اپنانے کی کوشش کی ہے۔ایسا کم وبیش ہر مقام پر ہوا ہے۔

نظموں کے تراجم میں بھی اس امر کا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہاں چند منتخب اقتباسات مع انگریزی تراجم درج کیے جاتے ہیں تا کہ سجاد شیخ کے ترجمے کی قدر و قیمت کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جا سکے:

سخت زنجیریں ہیں قیدی! سخت زنجیریں ہیں یہ
ان کو ڈھالا ہے جہنم کی دہکتی آگ میں
ان کی کڑیاں موت کے پھنکارتے ناگوں کے پیچ
ان کی لڑیاں زندگی کی اُلجھنوں کے سلسلے
ان کی گیرائی کے آگے تیری تدبیریں ہیں یہ
تیری تدبیریں؟ عبث سب تیری تدبیریں ہیں یہ
سخت زنجیریں ہیں قیدی ، سخت زنجیریں ہیں یہ
(قیدی)

Hard chains are these, Prisoner!
Hard chains these
They are moulded in flaming fire

of Hell.
Their links are coils of
Death's hissing serpents.
Their strings are cycles of
Life's complications.
All your acts and plans
are insignificant before
their vastness
Your planned actions?
Futile are all these actions
and plans! (Prisoner) (۳۴)

ایک بوسیدہ ، خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ
سیکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں!
آہ! ان گردن فرازانِ جہاں کی زندگی
اک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنھیں حاصل نہیں
(ایک کوہستانی سفر کے دوران میں)

The weak hand of
a bowed down, aged and
decayed tree is the sacred trust,
responsible for offering assistance
to hundreds of falling journey men.
Oh! the life of these exalted,
high headed people of the World
who have not got
even the status of a bent
and bowed branch! (During A Mountainous Journey) (۳۵)

گری دھڑام سے گھائل پیڑوں کی نیلی دیوار
کٹتے ہیکل، جھڑتے پنجر، چھٹتے برگ و بار
سہمی دھوپ کے زرد کفن میں لاشوں کے انبار
آج کھڑا میں سوچتا ہوں اِس گاتی نہر کے دوار
اِس مقتل میں صرف اِک میری سوچ، لہکتی ڈال
مجھ پر بھی اب کاری ضرب اِک ، اے آدم کی آل
(توسیعِ شہر)

This blue wall of wounded trees
collapsed with a noisy thud.
Lacerated stems,
dropping Skeltons, separated
leaves and branches are
scattered all around
clusters of corpses clad in pale
shrounds of scared sunshine!
Today I stand here, on the bank of
this melodious canal and meditate.
"At this murdering place,
my thought is now the
only vivid, waving branch.
Sons of Adam!
Fell me too
With a single fatal below!" (Expansion Of The City) (٣٦)

———

بے نشاں خاک ، میرے سامنے اب
ان جہانوں کا ایک حصہ ہے
جن کے بھیدوں کی تھاہ میں تُو ہے
جن کے سایوں کی قبر میں ، میں ہوں!

(بےنشاں)

Signless, traceless dust is
now before me.
It is a part of the Worlds in
depth of whose mysteries are you!
In the shadows of whose graves am I! (Traceless) (۳۷)

کیسے یہ شعر اور کیا اُن کی حقیقت؟
نا صاحب، اس اپنے لفظوں بھرے کنستر سے چلو بھر کر بھیک کسی کو دے کر،
ہم سے اپنے قرض نہیں اتریں گے،
اور یہ قرض اب تک کس سے اور کب اترے ہیں!

(جن لفظوں میں ---)

What are these verses?
And what is their significance?
No, Sir, we cann't pay off our debts
by giving someone just a handful of
alms from this canister of words.
Who and how has anyone ever paid
off these debts? (Words.....Words.....) (۳۸)

بحیثیت مجموعی سجاد شیخ کی یہ کتاب مجید امجد کی شاعری کو انگریزی دان طبقے تک پہنچانے کی ایک عمدہ اور کامیاب کوشش ہے۔مجید امجد شناسی کا دائرہ یقیناً اس طرح کی کوششوں سے وسعت اختیار کرتا ہے۔

یہ دنیائے اِمروز میری ہے (مقالات)

شعبۂ اردو اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے شائع ہونے والی یہ کتاب رسالہ **بازیافت**، مجید امجد نمبر کی کتابی صورت ہے۔اس کے مرتبین میں مذکورہ رسالے کے مدیر ڈاکٹر محمد کامران اور معاون مدیران ڈاکٹر ضیاء الحسن اور ڈاکٹر ناصر عباس نیّر شامل ہیں۔اس کتاب کو آرمی پبلک سکول پشاور کے ''سرخ گلابوں'' کے نام معنون کیا گیا ہے جو آمدِ بہار سے پہلے ہی وقفِ خزاں ہو گئے۔یاد رہے یہ سانحہ ۱۶؍دسمبر ۲۰۱۴ء کو رونما ہوا جب دہشت گردوں کی بربریّت نے معصوم بچوں کو مار ڈالا۔اس انتساب کے نیچے مجید امجد کی اس معروف غزل کے سات اشعار درج کیے گئے ہیں:(۳۹)

روش روش پہ ہیں نکہت فشاں گلاب کے پھول
حسیں گلاب کے پھول ، ارغواں گلاب کے پھول

اس کتاب میں **بازیافت** کے مجید امجد نمبر سے اضافی تحریر وہ خصوصی پیغام ہے جو پروفیسر ڈاکٹر مجاہد کامران، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے تحریر کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ رسالے میں شامل اداریہ یہاں کسی قدر طویل ہو گیا ہے۔جہاں تک مقالات ومضامین کا تعلق ہے وہ بعینہٖ وہی ہیں جو رسالے میں شامل ہوئے ہیں۔البتہ رسالے میں ہائر ایجوکیشن کمیشن کے وضع کردہ قاعدے کے مطابق ہر مقالے سے پہلے انگریزی زبان میں تحریر کیا گیا Abstract شامل ہے، جو کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔

بحیثیت مجموعی اس کتاب میں کل چونتیس ۳۴ مضامین و مقالات شامل ہیں جو نوعیت کے اعتبار سے مختلف دائروں میں آتے ہیں۔ابتدا میں صفدر سلیم سیال (جو مجید امجد کے دوستوں میں شامل رہے ہیں) ندیم عباس اشرف اور جنید امجد کے تحریر کردہ سوانحی و شخصی نوعیت کے مضامین نے جگہ پائی ہے۔ان کے عنوانات بالترتیب 'مجید امجد۔شخص، شخصیت، شاعری'، 'مجید امجد اور ساہیوال' اور 'مجید امجد کے سوانحی حقائق' ہیں۔عنوانات ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ تحریریں مجید امجد کے احوال و آثار اور شخصی کوائف کا احاطہ کرتی ہیں۔ان تحریروں کے بعد شامل ہونے والے سترہ ۱۷ مقالات ایسے ہیں جو مجید امجد کی شعری کائنات کے فکری وموضوعاتی اور فنی واسلوبیاتی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ان میں سب سے بنیادی اور طویل مقالہ معروف مجید امجد شناس پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا تحریر کردہ ہے جس کا عنوان 'مجید امجد: شاعرِ حیات وکائنات' ہے۔اس مقالے میں مجید امجد کے تخلیقی سفر کے آغاز وارتقا پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے،اس کے فکری وفنی امتیازات کی

نشاندہی بھی کی گئی ہے اور بعض معاصر شعرا کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے ان کی عظمت کو اُجاگر کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے۔ ایسا محض مجید امجد کی طرف داری کی بنا پر ہی نہیں کیا گیا بلکہ سخن فہمی کے تقاضوں کو بھی نبھایا گیا ہے۔ مقالے کے آخر میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے یہ نتیجہ نکالا ہے:

> ''مجید امجد موضوعات کی وسعت، اسالیب کی رنگا رنگی، مشاہدے کے غیر معمولی تنوع، الفاظ وتراکیب کی انوکھی ساخت اور گہری دردمندی کا شاعر ہے۔ اس کی شاعری بے پناہ موضوعاتی وسعت و گہرائی اور لسانی تشکیلات سے مالا مال ہے۔ یہ لسانی تشکیلات من مرضی سے تیار کی ہوئی نہیں، ان کی بنیاد قواعد زبان پر ہے اور ان کے پس منظر میں مختلف زبانوں کا اعلیٰ ترین ادب موجود ہے۔ اس کے باوجود اس میں گہری دردمندی ہے۔ اتنی خود ساختہ ترکیبات کے باوجود ان کے کلام میں اتنی گہری تاثیر موجود ہے کہ تاثیر اور صنعت کے متضاد عناصر گھل مل کر ایک ہو گئے ہیں۔ متضاد خصوصیات کو ہم آہنگ کرنے والی یہ شاعری اپنی تفہیم کے لیے سرسری نظر سے پڑھنے کا نہیں، گہری توجہ اور محنت کا تقاضا کرتی ہے:
>
> سرسری تم جہان سے گزرے
>
> ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا'' (۴۰)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے اس طویل مقالے کے بعد شامل کیے گئے سترہ ۱۷ مقالات و مضامین اپنے اندر خاصا موضوعاتی تنوع رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ محض فہرست کو دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں عنوانات اور مقالہ نگاروں کے اسمائے گرامی کو درج کیا جا رہا ہے:

۱۔ صدرنگ رموزِ کونین اور موقلمِ مانی: مجید امجد کی عرفانی شاعری	سعادت سعید
۲۔ مجید امجد کا تصورِ ہیئت، روایتی ہیئتیں اور ہیئتی تجربات	نوازش علی
۳۔ مجید امجد ـــ رازدانِ غمِ زمان و زمین	ریاض قدیر
۴۔ مجید امجد کی شاعری میں عصری اور قومی شعور	یوسف خشک
۵۔ مجید امجد کی نظموں میں تصوراتِ زمان کا تدریجی ارتقا	زاہد منیر عامر
۶۔ مجید امجد کی تراکیب کا مطالعہ	سیّد عامر سہیل
۷۔ مجید امجد کا طنزیہ و استہزائیہ اسلوب	بصیرہ عنبرین
۸۔ مجید امجد کی شاعری کے انگریزی تراجم	عارفہ شہزاد
۹۔ مجید امجد ـــ تقریب شادی میں (چند نادر سہرے)	محمد افتخار شفیع

۱۰۔ مجید امجد کی اقلیم سخن ۔۔۔ایک مطالعہ	محمد حنیف خان
۱۱۔ مجید امجد کی شاعری میں پراکرت الاصل/سنسکرت الاصل الفاظ	تہمینہ نور
۱۲۔ مجید امجد کی نظم میں نفسیاتی شعور	عنبرین منیر
۱۳۔ مجید امجد کی نظموں کی اخلاقی جہات	اصغر علی بلوچ/غلام اکبر
۱۴۔ مجید امجد کی نظم میں بچے کا تصور: نوعیت ومعنویت	عبدالسمیع
۱۵۔ مجید امجد کی نظم 'کنواں': ردِ تشکیلی مطالعہ	اورنگ زیب نیازی
۱۶۔ مجید امجد کی نظم 'امروز'	ضیاءالحسن
۱۷۔ مجید امجد کی نظم کی جمالیات (ثقافت وفطرت کے سیاق میں)	ناصر عباس نیّر

جیسا کہ عنوانات کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے، یہ مقالات ومضامین مجید امجد کی شاعری کے ایسے عمومی مطالعے پر مشتمل ہیں جو ان کی نظم نگاری کے موضوعات، افکار، ہیئتوں، علائم و رموز، اسالیب بیان اور لسانی خصوصیات کا احاطہ کرتے ہیں۔ جہاں تک مجید امجد کے افکار میں تصورِ وقت کی اہمیت کا تعلق ہے اس حوالے سے ان مضامین میں زاہد منیر عامر کے مقالے کے علاوہ اورنگ زیب نیازی اور ضیاء الحسن کے وہ تجزیاتی مطالعے شامل ہیں جو انھوں نے بالترتیب 'کنواں' اور 'امروز' جیسی شاہکار نظموں کے حوالے سے تحریر کیے ہیں۔ لسانی حوالے سے سیّد عامر سہیل اور تہمینہ نور کے مقالات خاصے کی چیز ہیں۔ بعض مضامین جیسے ناصر عباس نیّر اور نثار ترابی کے تحریر کردہ مضامین میں مجید امجد کی شاعری کے جمالیاتی پہلوؤں، خصوصاً امیجری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عارفہ شہزاد نے مجید امجد کی شاعری کے متعدد انگریزی تراجم کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ بصیرہ عنبرین کا مقالہ مجید امجد کی شاعری کے ایک ایسے وصف کو اُجاگر کرتا ہے جو بالعموم نقادوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ انھوں نے متعدد شعر پاروں کا حوالہ دیتے ہوئے مجید امجد کے طنزیہ واستہزائیہ اسلوب کو نمایاں کیا ہے۔ مندرجہ بالا فہرست میں شامل دیگر مقالات بھی اپنی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔ عنبرین منیر نے مجید امجد کی نظم میں موجود نفسیاتی شعور کے حوالے سے لکھا ہے جب کہ اصغر بلوچ اور غلام اکبر کی مشترکہ کاوش مجید امجد کی نظموں کی اخلاقی جہات کو سامنے لاتی ہے۔ اسی طرح سعادت سعید نے مجید امجد کی شاعری میں موجود عرفانی پہلوؤں کی طرف اشارے کیے ہیں جبکہ یوسف خشک نے ان کی شاعری کو عصری اور قومی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ مجید امجد کی شاعری میں غم کی جو زیریں لہر پائی جاتی ہے، ریاض قدیر نے اسے گرفت میں لینے کی سعی کی ہے۔ نوازش علی کا مقالہ اس لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ انھوں نے مجید امجد کے تصورِ ہیئت کو بیان کرنے کے علاوہ ان کے کلیات میں پائی جانے والی روایتی

ہیئتوں اور ہیئتی تجربات کے بارے میں تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے۔اہلِ نظر جانتے ہیں کہ مجید امجد کی شاعری ہیئتی تنوع کے حوالے سے بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ان کے عہد میں اردو شاعری میں نئی نئی ہیئتیں داخل ہو رہی تھیں۔اگر چہ اس ضمن میں راشد اور میراجی کو زمانی تقدم حاصل ہے کہ انھوں نے آزاد نظم کو بامِ عروج تک پہنچایا تاہم ہیئتی تنوع کے لحاظ سے مجید امجد اور قیوم نظر ایسے شاعر ہیں جو فوقیت رکھتے ہیں۔ مجید امجد کے ہاں تخلیقی تجربے میں قیوم نظر سے کہیں زیادہ توانائی پائی جاتی ہے۔اس لحاظ سے ان کی شاعری محض ہیئتوں کے میکانکی استعمال تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ ان کا تخلیقی تجربہ اور اختیار کردہ ہیئت پوری طرح ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔نوازش علی نے اس ضمن میں اچھا تجزیہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''مجید امجد ایک نیا وژن لے کر اردو شاعری میں وارد ہوئے۔وہ روایتی پیمانوں اور شکلوں سے اپنی شاعری کا آغاز کرنے اور ان میں مہارت حاصل کر لینے کے بعد یہ محسوس کرنے لگے کہ نظم کے پرانے سانچے ان کے وژن کو زیادہ اور دور تک سہارنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔پرانے سانچوں میں اپنے محسوسات کو پیش کرتے ہوئے انھیں اپنے احساسات میں قطع برید کرنی پڑتی ہو گی۔پرانے سانچوں اور شکلوں میں انفرادی تخلیقی تجربے کی مکمل سمائی نہ ہونے کے باعث وہ نظم کی نئی سے نئی شکلوں کو آزماتے ہیں۔
>
> یہ بھی دیکھنے والی بات ہے کہ ان کی شاعری میں کئی مختلف، متنوع، جذبے اندرونی ضرب و تقسیم کے بعد ایک تخلیقی تجربے میں تشکیل پاتے ہیں۔تجربے کے معنی ہی یہ ہیں کہ الگ الگ جذبے، اکہرے اور تہ دار ہر طرح اور ہر نوع کے جذبے آپس کے ٹکراؤ اور کشمکش سے ایک اندرونی تعمیر میں متشکل ہوں اور اپنی الگ الگ اور علیٰحدہ علیٰحدہ قوتوں سے ایک نئی معنوی سمت پیدا کریں۔یہ ان کے تخلیقی باطن کی مجبوری تھی کہ وہ نظم کی نئی سے نئی ہیئتوں میں اپنے منفرد تخلیقی تجربے کو شناخت کریں اور دوسروں کو شناخت کروائیں۔''(۴۱)

اوپر دی گئی فہرست میں شامل دو تحریریں ایسی ہیں جنھوں نے تازگی کے باعث راقم کی توجہ خاص طور سے حاصل کی ہے۔ایک تحریر محمد افتخار شفیع کی ہے جس کی نوعیت تحقیقی ہے۔افتخار شفیع نے روایتی صنف 'سہرا' کا تعارف کرواتے ہوئے مجید امجد کے تحریر کردہ چھ ۶ سہرے یکجا کیے ہیں۔ یہ سہرے صاحبزادہ فرخ سئیر، سیّد ناصر شہزاد، سیّد مراتب اختر، سیّد دانیال ساجد، پرویز انجم صدیقی اور عبدالعزیز خان یوسفی کی تقاریب شادی خانہ آبادی پر پیش کیے گئے۔افتخار شفیع نے حوالہ جات و حواشی میں مآخذ کی نشاندہی کرنے کے علاوہ مذکورہ ''دولھوں'' کا مختصر تعارف بھی کروایا ہے اور سہرے کی روایت کے حوالے سے مفید معلومات بھی فراہم کی ہیں۔

اگر چہ مجید امجد کی شعری کائنات میں یہ سہرے کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کر پائے تاہم نجی نوعیت کی شاعری میں ان کی خاص اہمیت ہے اور مجید امجد کا فن ان میں بھی کسی نہ کسی حد تک اپنا اظہار کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ افتخار شفیع لکھتے ہیں:

"۔۔۔اپنے اجتہادی نقطۂ نظر سے ہٹ کر انھوں نے یہ سہرے روایتی ہیئت میں لکھے اور موضوعات میں جدت کے ساتھ ساتھ روایتی انداز اپنایا۔ ان میں استعمال ہونے والی سلکِ زر، شرف نسبت، مکان شریف، بحرِ گُل اندوزیِ بیاں، زرِ صدق، شعاعِ زر، فروغِ معنی، رمزِ کلام، زیبِ زندگی، ساعتِ نوریں، دُرِ ثمیں، کنزِ طرب، سلکِ یاسمیں، برگِ دل، بہ طرفِ طرۂ دستار، سرود بربطِ راحت، متاعِ دامنِ گلزار، چمن زارِ محبت، بہ صد سامانِ زیبائی، موجِ کوثریں، ابد کے گل کدوں، گُل کارِ گل فام، نکہت بار، رخِ نوشہ، گل انبار، نسیمِ آرزو، گلِ عارض اور یمنِ اہلِ حق جیسی دو لفظی اور سہ لفظی تراکیب منفرد اور اچھوتی ہیں اور مجید امجد کے جداگانہ شعری رنگ کی ترجمانی کرتی ہیں۔" (۴۲)

دوسرا مضمون عبدالسمیع کا تحریر کیا ہوا ہے۔ اس میں مجید امجد کی شاعری میں پائے جانے والے بچے کے تصور کے بعض نادر پہلو سامنے لائے گئے ہیں۔ مثلاً:

"۔۔۔ایسا بچہ جو معاشی ذمہ داریوں سے مجبور ہے، ایسا بچہ جو خوش و خرم ہے، ایسا یتیم بچہ جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ۔۔۔ وہ یتیم بچہ ۔۔۔ جس کا باپ سلطنت کی بقا اور حفاظت کے لیے شہید ہو گیا۔ اس بچے کے ساتھ حکومت کے کارندے جیسا سلوک روا رکھتے ہیں اور جس طرح سے اس کی موت ہوتی ہے وہ تمام نظامِ حکومت اور عوام کے لیے مقامِ عبرت ہے۔۔۔" (۴۳)

اسی طرح اوورکوٹ پہننے والوں کے سامنے سردی میں ٹھٹھرتا ہوا کم لباس بچہ یا سڑک پر ایکسیڈنٹ کا شکار ہونے والا وہ بچہ جس کی ممتا بھی چند ٹکوں میں بک جاتی ہے۔ گویا عبدالسمیع نے اپنے مضمون میں اُن بچوں کی نشاندہی کی ہے جو مجید امجد کی شاعری کا حصہ بنے ہیں اور اُن کی شاعری کا یہ پہلو حساس دلوں پر چرکے لگاتا ہے۔

یوں تو مجید امجد کی پوری شاعری مختلف حوالوں سے اعتبار رکھتی ہے، تاہم اُن کی دورِ آخر میں لکھی گئیں دو اڑھائی سو نظمیں نقادوں کے لیے بہت سے سوالات اٹھانے کا باعث بنی ہیں۔ ایک تو اُن میں نثر کے قریب ایسا آہنگ اختیار کیا گیا ہے جو اردو میں لکھی گئی آزاد نظم میں ایک نئی چیز ہے اور عروض سے نابلد افراد کے لیے یہ آزاد نظمیں نثری نظمیں ٹھہریں۔ دوسرے یہ کہ ان نظموں کی معنویت بھی ابھی پوری طرح

سے سامنے نہیں آئی۔ ان کے حوالے سے ناقدین افراط وتفریط کا بھی شکار نظر آتے ہیں۔بعض نظمیں سہل الفہم ہیں جبکہ بعض نظموں کی تفہیم بہت مشکل محسوس ہوتی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ ان نظموں کی قدر و قیمت کا صحیح تعیّن ہونا ابھی باقی ہے۔ان نظموں کے حوالے سے بھی زیرِ مطالعہ مجلّے میں مندرجہ ذیل تین ۳ مقالے شامل ہیں:

۱۔ مجید امجد: شاعری کے آخری دور کی معنویت — تبسم کاشمیری

۲۔ مجید امجد کے دورِ آخر کی شاعری کا لسانی جائزہ — رؤف پاریکھ

۳۔ مجید امجد کی آخری دور کی نظموں میں عصری حسیّت — احتشام علی

یہ تینوں مقالے مجید امجد کی دورِ آخر کی شاعری کے مختلف زاویوں سے مطالعے کی کوشش کا درجہ رکھتے ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنے مقالے میں ان نظموں کی معنویت کو سمجھنے سمجھانے کی سعی کی ہے۔وہ معنویت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہوئے ان نظموں میں اختیار کی گئی بحر کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس بحر اور اس کے استعمال نے بھی ان نظموں کے بیانیے کو تقویت دی ہے۔ڈاکٹر رؤف پاریکھ مذکورہ نظموں کا لسانی حوالے سے جائزہ لیتے ہیں اور بحر، الفاظ اور افعال و مصادر کے حوالے سے میر کے ساتھ مجید امجد کی قربت کو دریافت کرنے کی سعی کرتے ہیں۔لکھتے ہیں:

> ''مجید امجد نے میر کی بحر، فعل کے استعمال اور لفظیات سبھی سے اثرات قبول کیے ہیں۔ان کے ہاں لفظ اور اس کے مفاہیم کے شعور کے ساتھ لفظ کے صرفی اور صوتی اثرات کا احساس بھی ملتا ہے۔'' (۴۴)

اِس نقطۂ نظر سے کلّی اتفاق دشوار ہے۔تاہم میر اور مجید امجد کی مماثلت کے حوالے سے رؤف پاریکھ کا نقطۂ نظر اپنے اندر انفرادیت ضرور رکھتا ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ تخلیق کے ذاتی تخصصات کے باوجود بڑے شاعروں کے ہاں بھی مماثلت کے پہلو نکل آتے ہیں۔احتشام علی نے اپنے مضمون میں اِن نظموں میں موجود عصری حوالوں کو فکری و فنی سطح پر تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

مجید امجد کی تخلیقی شناخت کا اصل حوالہ تو نظم نگاری ہے تاہم ان کے کلّیات میں غزلیں بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔اُن کے ہم عصروں میں اُن کے سوا شاید فیض احمد فیض ہی وہ واحد شاعر ہیں جو نظم میں ترجیحاً تخلیقی اظہار کرنے کے باوجود ایک اہم غزل گو قرار دیے جا سکتے ہیں۔دونوں کے مزاج مختلف ہیں تاہم مجید امجد بھی غزل کے حوالے سے ایک قد آور شاعر ہیں۔ان کی غزل کا نادر انداز کاری کو اپنی طرف ضرور متوجہ کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے بعض ناقدین نے بھی ان کی غزل پر مضامین قلم بند کیے ہیں۔زیرِ نظر مجلّے میں بھی مندرجہ ذیل تین ۳ مضمون دکھائی دیتے ہیں جو مجید امجد کی غزل کے جائزے پر مبنی ہیں:

۱۔ مجید امجد کی غزل۔ایک تجزیہ ثمینہ ندیم
۲۔ مجید امجد کی غزل منور ہاشمی
۳۔ مجید امجد کی غزل گوئی محمد شہباز

مذکورہ مقالوں میں کچھ زیادہ گہرائی تو نہیں، البتہ ان سے مجید امجد کی غزل گوئی کے بارے میں بنیادی نوعیت کی معلومات ضرور فراہم ہو جاتی ہیں۔

بڑے تخلیق کاروں کی عظمت اُن کی انفرادیت میں مضمر ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے ہاں اثر پذیری کے شواہد نہ ملتے ہوں۔اسی طرح ہم عصر شعرا کے ساتھ مماثلت اور مغائرت دونوں طرح کے پہلو مل جاتے ہیں۔اس ضمن میں مجید امجد کو بھی استثنا حاصل نہیں۔زیرِ مطالعہ کتاب میں اس حوالے سے بھی تین مقالے شامل ہیں۔ایک مقالہ یاسمین کوثر کا ہے جو 'مجید امجد پر اقبال کے اثرات' کے زیرِ عنوان ہے اور اس میں مجید امجد کی شاعری پر، خاص طور سے ابتدائی دور کی شاعری پر اقبال کے اثرات دکھائے گئے ہیں۔اسی طرح ایک مقالہ 'مجید امجد اور سہراب سپہری کی شاعری میں موت ۔۔۔' ہے جو وفایزدان منش اور سمیرا گیلانی کی مشترکہ کاوش ہے۔اس مقالے میں جدید ایرانی شاعر سہراب سپہری اور مجید امجد کی شاعری میں موت کے تصور کے بارے میں تصاویر، تعابیر اور معانی کے ضمن میں پائے جانے والے اشتراکات بیان کیے گئے ہیں۔مجید امجد کے ہم عصر شعرا کے حوالے سے زیرِ نظر کتاب میں ایک مقالہ محمد فخر الحق نوری کا بھی ہے۔اس مقالے کا عنوان 'مجید امجد اور ہم عصر نظم گو شعرا (ایک تمہید)' ہے۔اس مقالے میں مجید امجد کے علاوہ ن م راشد، فیض احمد فیض، میرا جی اور اختر الایمان کی شاعری زیرِ مطالعہ آئی ہے اور سب شاعروں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے مجید امجد کی انفرادیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔محمد فخر الحق نوری کا نقطۂ نظر یہ ہے:

> ''شعر و ادب کا سچا اور خالص طالب علم یا نقاد کسی کا یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتا کہ وہ خود کو محض اس کے کسی پسندیدہ تخلیق کار تک محدود کر لے۔میں شعر و ادب کی تفہیم و تحسین اور شعرا و ادبا کی قدر و منزلت کے تعین کے معاملے میں ایسے مفروضوں کا قائل نہیں ہوں۔جہاں تک تقابلی مقالے کا تعلق ہے، یہ ضرور ہونا چاہیے تا کہ مختلف ہم عصر شعرا و ادبا کے تخصصات اور انفرادی رجحانات سامنے آسکیں۔اصل میں ہماری ذوقی تربیت معاندانہ نہیں، مفاہمانہ انداز میں ہونی چاہیے تا کہ ہم ایک ہی وقت میں مختلف ذائقوں، رنگوں اور خوشبوؤں سے حظ اٹھا سکیں۔''(۴۵)

چنانچہ یہ مقالہ اس نقطۂ نظر کا عملی اظہار ہے۔اس میں مجید امجد اور ان کے عہد کے چار بڑے شاعروں کے خصائص بیان کیے گئے ہیں اور مجید امجد کی شاعری کے ان پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان کی الگ اور منفرد پہچان بناتے ہیں۔

اس کتاب کا آخری حصہ نقد الانتقاد کے دائرے میں آتا ہے۔طارق حبیب کا مقالہ 'مجید امجد شناسی میں ڈاکٹر وزیر آغا کا حصہ' مجید امجد کے نہایت اہم نقاد وزیر آغا کی تحریروں کے تعارفی اور تجزیاتی مطالعے پر مشتمل ہے۔اس میں بالخصوص مجید امجد کی شاعری کو توازن کی مثال قرار دینے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی داستانِ محبت کے منتشر نقوش کو مربوط کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کی تحریروں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ مقالہ نگار اپنے ممدوح سے مرعوب دکھائی دیتے ہیں۔اسی طرح کا ایک مقالہ محمد الیاس کبیر کا ہے جس کا موضوع 'مجید امجد کے نقاد (مجید امجد پر مطبوعہ تنقیدی کتب کا مطالعہ)' ہے۔جیسا کہ عنوان ہی سے ظاہر ہے،اس مضمون میں ان کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے جو مجید امجد پر قلم بند کی گئی ہیں۔یہ جائزہ محض تبصروں سے بلند تر ہے اور اس میں مختلف نقادوں کی مختلف تحریروں کا تحلیل و تجزیہ شامل ہے۔زیرِ بحث جریدے میں شامل آخری تحریر محمد ہارون عثمانی کا تبصرہ ہے جو انھوں نے '**جہانِ مجید امجد**: ایک مطالعہ' کے زیرِ عنوان ڈاکٹر اسلم ضیا کی عنوان میں مذکور نام کی کتاب پر لکھا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں پیش کردہ تجزیاتی مطالعے سے ظاہر ہے،اس کتاب میں مجید امجد کی شخصیت اور ان کی شاعری کے متنوع پہلوؤں کو مختلف زاویوں سے موضوع بنایا گیا ہے۔اس میں شامل کم و بیش تمام تحریریں نئی اور تازہ ہیں۔اسے شعبۂ اردو اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی ایک قابلِ قدر کاوش قرار دیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات و حواشی

(۱) ابوبکر صدیقی۔''تعارف و تبصرہ''۔مشمولہ،ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء۔**جہانِ مجید امجد**۔لاہور: الوقار پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء۔ص ۸۔۹

(۲) ڈاکٹر محمد ہارون عثمانی۔''**جہانِ مجید**: امجد ایک مطالعہ''۔مشمولہ،**بازیافت**۔شعبۂ اردو اورینٹل کالج، لاہور: شمارہ ۲۴،جنوری تا جون ۲۰۱۴ء۔ص ۴۴۴

(۳) ڈاکٹر محمد امین۔**تفہیمِ مجید امجد**۔ملتان: بیکن بکس،۲۰۱۴ء۔ص ۷

(۴) سیّد عامر سہیل۔''ڈاکٹر محمد امین اور **تفہیمِ مجید امجد**''۔مشمولہ،**تفہیمِ مجید امجد**۔ص ۱۰

(۵) ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔ مجید امجد (حیات، شعریات اور جمالیات)۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔ ص ۷۔۸

(۶) بحوالہ ایضاً۔ بیک فلیپ

(۷) ایضاً۔ ص ۱۱۹

(۸) ایضاً۔ ص ۱۴۶

(۹) ایضاً۔ ص ۱۷۵

(۱۰) ایضاً۔ ص ۱۸۳

(۱۱) ایضاً۔ ص ۲۱۴

(۱۲) ایضاً۔ ص ۲۴۸۔ ۲۴۹

(۱۳) بحوالہ ڈاکٹر نوازش علی۔ مجید امجد: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔ لاہور: اردو اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۴ء۔ ص ۸

(۱۴) ایضاً۔ ص ۸

(۱۵) ڈاکٹر نوازش علی۔ مجید امجد: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔ ص ۱۶

(۱۶) ایضاً۔ ص ۲۸ (۱۷) ایضاً۔ ص ۴۳

(۱۸) ایضاً۔ ص ۲۳۷ (۱۹) ایضاً۔ ص ۲۹۴

(۲۰) بحوالہ ایضاً۔ ص ۳۰۹ (۲۱) ایضاً۔ ص ۳۹۰

(۲۲) بحوالہ ایضاً۔ ص ۴۵۹۔ ۴۶۰ (۲۳) ایضاً۔ ۴۶۰

(۲۴) ایضاً۔ ۴۸۴ (۲۵) ایضاً۔ ۵۴۷

(۲۶) ڈاکٹر آصف علی چٹھہ۔ مرتب: مجید امجد کی نظمیں (تجزیاتی مطالعات)۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۱۴ء۔ ص ۸۔۹

(۲۷) ایضاً۔ ص ۱۷۴

(۲۸) ایضاً۔ ص ۶۷۔ ۶۸

(۲۹) ایضاً۔ ص ۲۲۹۔ ۲۳۰

(۳۰) بحوالہ جنید امجد۔ مرتب: صورتِ معنی، معنیِ صورت۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۴ء۔ بیک فلیپ

(۳۱) احتشام علی۔مرتب:**مجید امجد نئے تناظر میں**۔ملتان بیکن بکس،۲۰۱۴ء۔ص۱۰تا۱۱

(۳۲) ایضاً۔ص۳۳۹

(۳۳) ایضاً۔ص۳۴۴

(۳۴) پروفیسر سجاد شیخ۔مترجم:**مجید امجد (ایک سو ایک نظمیں مع انگریزی تراجم)**۔لاہور:الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء۔ص۱۶تا۱۸

(۳۵) ایضاً۔ص۵۳تا۵۵

(۳۶) ایضاً۔ص۹۳تا۹۶

(۳۷) ایضاً۔ص۱۳۸تا۱۴۰

(۳۸) ایضاً۔ص۳۰۵تا۳۰۷

(۳۹) ڈاکٹر محمد کامران و دیگر۔مرتبین:**یہ دنیائے اِمروز میری ہے (مقالات)**۔لاہور:شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی،۱۹۱۵ء۔ص۴

(۴۰) ایضاً۔ص۶۴۔۶۵

(۴۱) ایضاً۔ص۱۰۷

(۴۲) ایضاً۔ص۱۸۸

(۴۳) ایضاً۔ص۲۴۴۔۲۴۵

(۴۴) ایضاً۔ص۳۰۵

(۴۵) ایضاً۔ص۳۴۷

❁❁❁